ماہنامہ
المرشد
شوال/ذیقعد 1436ھ
ن2015ء
اللہ
رسول
محمد
عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ:
أَلَا إِنَّ الدُّنْيَا مَلْعُونَةٌ مَلْعُونٌ مَا فِيهَا إِلَّا ذِكْرُ اللهِ وَمَا وَالَاهُ وَعَالِمٌ أَوْ مُتَعَلِّمٌ (رواہ الترمذی. رقم الحدیث 2322)
حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی رحمت ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ دنیا ملعون ہے اور جو کچھ اس میں ہے ملعون ہے
سوائے اللہ کے ذکر کے اور اس چیز کے جو ذکر الٰہی کے قریب ہو اور سوائے عالم اور متعلم کے
یہاں کا ثواب: دارالعرفان کا ثواب یہ ہے کہ وہ کیفیات دل میں اتر جائیں، جب بندہ کہے لا الٰہ الا اللہ تو دل جھوم اٹھے۔
الشیخ مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی
صفحہ نمبر 15

تصوف

تصوف کیا ہے

آخرت اور دنیا میں ازلی اور ابدی رشتہ ہے۔ بندہ دنیا میں جو عقیدہ رکھتا ہے اور جو عمل کرتا ہے اسی پر آخرت کی تعمیر ہوتی ہے۔ تصوف یہ ہے کہ جس طرح ہماری آنکھوں کے سامنے دنیا چل رہی ہے، اسی طرح ہمارے دل کی آنکھوں کے سامنے آخرت بھی چل رہی ہو۔ دنیا کے کام کرتے ہوئے بندے کو سمجھ آ جائے کہ اس کا نتیجہ آخرت میں کیا بن رہا ہے تاکہ وہ اخروی نقصان سے بچ جائے۔ اللہ کے سامنے حاضر ہونے کی یہ کیفیت قلب کو یعنی دل کو عطا ہوئی ہے۔ اگر دل غافل ہو تو آخرت اس سے اوجھل رہتی ہے۔ اللہ کی عظمت اور نبی کریم ﷺ سے محبت کی چاشنی سے ایسا قلب محروم رہتا ہے۔ قلوب کی غفلت دور کرنے اور دل کو لذت آشنائی دینے کے لئے مشائخ کی خدمت میں جانا ہوتا ہے۔ وہاں ذکر قلبی کا اکسیر نسخہ عطا ہوتا ہے، دل مانجھے جاتے ہیں اور ان میں برکات نبوت انڈیلی جاتی ہیں اور بندہ محسوس کرتا ہے کہ اللہ حاضر ہے، ناظر ہے، میرے ساتھ ہے، میرے قریب ترین ہے۔ گویا تصوف یہ ہے کہ مومن جیتا دنیا میں ہے، بستا آخرت میں ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ماہنامہ
المرشد
PS/CPL#15

بانی: حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

سرپرست: حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی، شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

اگست 2015ء شوال/ذی القعد 1436ھ

جلد نمبر 36 شمارہ نمبر 12

مدیر: محمد اجمل

معاون مدیرہ: آصفہ اکرم (اعزازی)

سرکولیشن منیجر: محمد اسلم شاہد

قیمت فی شمارہ: 40 روپے

بدل اشتراک

پاکستان 450 روپے سالانہ، 235 روپے ششماہی

بھارت/سری لنکا/بنگلہ دیش	1200 روپے
مشرقِ وسطیٰ کے ممالک	100 ریال
برطانیہ یورپ	35 اسٹرلنگ پاؤنڈ
امریکہ	60 امریکن ڈالر
قارایسٹ اور کینیڈا	60 امریکی ڈالر

فہرست

اسرار التنزیل سے اقتباس	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	3
اداریہ	صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان	4
طریقۂ ذکر		5
کلام شیخ	سیماب اویسی	6
اقوال شیخ	انتخاب	7
سالانہ اجتماع کا اختتامی بیان	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	8
مسائل السلوک	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	16
اکرم التفاسیر: النجم (58–69)	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	21
سوال و جواب	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	28
تکبر اور عجب کے علاج کا بیان میں	ترجمہ: فخر الدین صدیقی	35
غبارِ راہ		41
خواتین کا صفحہ	ام فاران، راولپنڈی	47
بچوں کا صفحہ	ع خان، لاہور	48
طب	حکیم عبدالماجد اعوان، سرگودھا	50
Questions and Answers Translated Speech	Ameer Muhammad Akram Awan MZA	54
A LIFE ETERNAL CH:25-26	Abul Ahmadain Translated: Naseem Mailk	57

انتخاب جدید پریس لاہور 36309053-042 ناشر: عبدالقدیر اعوان

سرکولیشن و رابطہ آفس: ماہنامہ المرشد، 17 اویسیہ سوسائٹی، کالج روڈ، ٹاؤن شپ، لاہور
Ph:042-35180381, Email:monthlyalmurshed@gmail.com

مرکزی دفتر: دارالعرفان ڈاکخانہ نور پور ضلع چکوال۔ ویب سائٹ سلسلہ عالیہ www.oursheikh.org/info
Ph:0543-562200, FAX: 0543-562198 Email: darulirfan@gmail.com

ختم خریداری کی اطلاع

O یہاں اس دائرے میں اگر X کا نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے۔

"قرآن حکیم کو اس نیت سے پڑھو کہ میرا پروردگار مجھ سے باتیں کر رہا ہے۔"

اچھوتے انداز اور منفرد طرز تحریر کی حامل
تفسیر قرآن حکیم اسرار التنزیل سے اقتباس

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ ....اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ (البقرہ:54)

پھر جب موسیٰ علیہ السلام نے تورات پیش کی تو کہنے لگے بھئی! مان لینے سے تو ہم کو اعتراض نہیں بات اتنی ہے کہ اگر خود اللہ کہہ دے کہ یہ میری کتاب ہے تو بڑی بات ہے موسیٰ علیہ السلام راضی ہو گئے اور ہر قبیلے کے چیدہ چیدہ افراد کو جو کافی تعداد میں تھے لے کر طور پر پہنچے۔ دعا کی اللہ! ان کو بھی اپنا کلام سننے کی توفیق وقوت عطا کر، چنانچہ انہوں نے سُنا اور یہ بہت بڑا کمال تھا جو انہیں نبی کے وسیلے سے نصیب ہوا۔ ثابت ہوا ہے کہ اہل اللہ میں ایسے افراد ہو سکتے ہیں جنہیں باتباع نبی اللہ سے کلام نصیب ہو۔ مگر اس کا درجہ وہ نہ ہو گا جسے وحی کہا جائے۔

تو وہ وقت یاد کرو جب تم اس پر بجائے شکر کے حد سے بڑھ گئے کہ بات تو سُن لی مگر کہنے لگے نہ جانے کس کی تھی اگر اللہ کو دیکھ لیں اور پھر ہمارے سامنے بات ہو تو مانیں اور یہ حد سے بڑھی ہوئی جسارت تھی۔ اس عالم آب وگل میں دیدار باری کی قوت ہی نہیں دی گئی بلکہ خود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تمنا کی تو ارشاد ہوا لن ترانی تم دیکھ نہ سکو گے۔

ساری خدائی میں یہ شرف رسُول اللہ ﷺ کا ہے کہ شب معراج دیدارِ باری ہُوا جس پر بعض کو اختلاف بھی ہے مگر یہاں دو باتیں زیر غور ہیں ایک تو حضور ﷺ بجسدِ عنصری کے ساتھ عالم بالا کو تشریف لے گئے جس پر اہل سنت کا کوئی اختلاف نہیں تو یہ بات دُنیا کی نہ رہی بلکہ اُس عالم کی ہو گئی دوسری یہ کہ سب کا اتفاق ہے حضور ﷺ نے جنت کا ملاحظہ ومعائنہ فرمایا، نعمائے جنت میں سب سے بڑی نعمت ہی دیدار باری ہے اگر اللہ ہی کو نہ دیکھا تو پھر جنت میں کیا دیکھا۔ یہ بات اس کے حق میں جاتی ہے کہ آپ ﷺ کو دیدار باری ہوا۔ واللہ اعلم وعلمہٗ اعظم۔ اور کسی سے یہ کمال ثابت نہیں۔ ہاں! آخرت میں اور جنت میں جنتیوں کو حسب مراتب نصیب ہونا ثابت ہے۔

یہاں بات تھی بنی اسرائیل کی، کہنے لگے۔

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ (البقرہ:55)

جب تم نے حد سے بڑھ کر اور حیثیت سے بڑھ کر مطالبہ کیا تو تم پر بجلی گری اور دیکھتے ہی دیکھتے تم فنا ہو گئے ہو سکتا ہے بجلی ہی ہو یا تجلیات باری کی کوئی جھلک جو یہ برداشت نہ کر سکتے تھے اور نہ کر سکے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اللہ ان کے قتل کی تہمت سے مجھے بچا اور ان کو پھر سے زندگی دے۔ یہ چونکہ قضائے معلق تھی جو بدل سکتی ہے یعنی ایک فعل کے نتیجہ میں اُن پر مسلط کی گئی۔ عمر طبعی پوری نہ ہوئی تھی جس کے بعد لوٹنا نہیں تو پھر تمہیں زندہ کر دیا گیا۔

کیا کیا کمالات تھے اور کیسے کیسے انعامات تھے جو موسیٰ علیہ السلام کے طفیل تمہیں نصیب ہوئے۔

اداریہ

آزادی

آزاد یعنی وہ جو اپنی مرضی سے عمل کر سکے۔
آزادی کے دو پہلو ہیں۔ ایک شخصی آزادی اور دوسری فکری آزادی۔
شخصی آزادی کہ جس میں ایک شخص اپنے ہر عمل کے اختیار کرنے میں کسی کا پابند نہ ہو۔ اپنی مرضی کا مالک ہو۔
فکری آزادی کہ کسی عمل کے اختیار کرنے کے ارادے میں بھی آزاد ہو یعنی کسی عمل کے اختیار کرنے میں کسی اور کی تقلید نہ کرے اور کسی غیر قوم یا فرد کی روش کو اپنی راہ نہ سمجھے۔

1857 کی جنگ آزادی سے لے کر 14 اگست 1947 تک برصغیر کے مسلمانوں نے بڑے بڑے خوبصورت اور دلیر بیٹے اپنی قوم کی بنیادیں استوار کرنے میں لگائے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ انڈین نیشنل کانگرس جو کہ 1885 میں معرض وجود میں آئی، کے دھوکے سے نکل کر 1906 میں مسلم لیگ کا قیام عمل لایا گیا اور علامہ اقبال کے دو قومی نظریے کو عملی جامہ پہناتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی قوم کے ہمراہ 14 اگست 1947 کے دن کو پایا۔ ان تمام عظیم قربانیوں کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ انگریز کی وہ سلطنت کہ جس میں سورج غروب نہ ہونے کا دعویٰ کیا جاتا تھا جنگ عظیم اول اور دوم کے زخموں سے جانبر نہ ہو سکی اور مجبور ہو گئی کہ مفتوحہ علاقوں کو واپس لوٹا دیا جائے۔ اس کے علاوہ بھی بے شمار پہلو ہیں ''جو اداریہ'' کے احاطہ تحریر میں نہیں لائے جا سکتے۔

14 اگست 1947 وطن عزیز پاکستان کی آزادی کا دن ہے اس کے پرچم کے ہوا میں لہرانے پہ لاکھوں لوگوں نے اپنے خون کی سلامی پیش کی۔
آج اس قوم کی آزادی کی عمر 68 برس ہو چکی مگر کیا وجہ ہے کہ یہ آزادی لسانی تعصب کی تلخی کو دور نہ کر سکی؟ یہ آزادی فرقہ واریت کے شعلوں کو ٹھنڈا نہ کر سکی؟ یہ آزادی ایک آزاد کو آزادی کے اصل مفہوم سے آشنا نہ کر سکی؟

برصغیر پہ قابض ہونے کے بعد لارڈ میکالے نے جو رپورٹ ملکہ کو لکھی اس کے مطابق ایسی قوم جس کا لٹریسی ریٹ 84 فیصد سے بھی زیادہ ہو، کو زیادہ دیر تک محکوم نہیں رکھا جا سکتا۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ پھر ہمارا نظام تعلیم بری طرح سے تباہ کیا گیا اور ہمیں ظاہری غلامی سے فکری غلامی تک جکڑ دیا گیا۔ بے شک 14 اگست ہماری ظاہری یا ذاتی آزادی کا دن ہے مگر 68 سال کے حالات اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ ہمیں تا حال؛ من حیث القوم فکری آزادی درکار ہے۔

فطری بات ہے کہ کوئی بھی تخلیق اپنے وجود میں مقصدِ تخلیق کا عنصر رکھتی ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذاریت 56)

کنت کنز اً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق

اس کے علاوہ بھی ہمیں قرآن و حدیث میں بے شمار دفعہ واضح طور پر انسان کا مقصدِ تخلیق ملتا ہے اور بحیثیت مسلمان جب آزادی کا اصل مفہوم بیان کیا جائے گا تو وہ اس کے علاوہ کچھ اور ہو ہی نہیں سکتا کہ مسلمان اللہ تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ کے تابع ہو کر غیر اللہ کی غلامی سے آزاد ہے۔

16 رمضان المبارک 8 ہجری فتح مکہ کا دن ہے۔ ورقہ بن نوفل کی پیش گوئی، کاش میں اس دن زندہ ہوں جس دن آپ کی قوم آپ کو شہر بدر کر دے گی تو میں آپ کی معاونت کروں، کے دن سے لے کر فتح مکہ کے دن تک نبی کریم ﷺ کیسے کیسے کٹھن مراحل سے گزرے۔ آپ رحمۃ اللعالمین ؐ کہ جن کے صدقے رزق نصیب ہوا، انھیں اور ان کے رفقا کو سوکھے چمڑے ابال کر کر کھانے پڑے۔ آپ پر پتھر برسائے گئے لیکن آپ نے سنگ بدستوں پر پہاڑوں کا الٹا دیا جانا پسند نہیں فرمایا۔ وطن چھوڑا، عزیز و اقارب کے وجود کے مثلے ہوئے اور نجانے کتنی قربانیوں کے بعد وہ دن آیا کہ بالآخر کفر کی کمر ٹوٹی اور آپ اونٹنی پر سوار اتنا سر جھکائے کہ کوہان سے لگے، شہر مکہ میں داخل ہوئے اور .... اور یہ عظیم دن ہمیں یاد نہیں اور شکاگو کے مزدور کی موت اتنی یاد ہے کہ اس دن قومی چھٹی ہے، اپنے اجداد کی پگڑیاں یاد نہیں کہ ایوان سلطنت میں بغیر پگڑی کے بیرا قبول نہیں۔ ہندو ماتھے پہ تلک لگائے دنیا گھومے اور ہمارے سرکاری دورے ٹائی کوٹ کے بغیر ادھورے ہیں۔ قوم کا لیڈر قوم سے زبان غیر میں مخاطب ہو.............. اور فکری غلامی کیا ہوتی ہے؟

ہمیں ضرورت ہے کہ ہم 14 اگست کو پرچم کشائی کے بعد جب قومی ترانہ پڑھیں تو پہلے کلمہ طیبہ پڑھیں۔ اپنا نظام تعلیم بہتر اور یکساں بنائیں، اپنے بچوں کو اغیار کی نہیں اپنی تاریخ پڑھائیں۔ جب قومی حمیت جاگے گی تو فکری آزادی حاصل ہوگی تب ہم کہہ سکیں گے کہ ہم آزاد ہیں۔

پاکستان زندہ باد!

صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان

ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ بندے کو اپنے کچھ نہ ہونے اور اللہ کے سب کچھ ہونے کا احساس ہو جائے۔
ذاتِ باری کے معاملے میں اپنے نہ ہونے کا ادراک ہو جائے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں سب کچھ وہ ہے۔
شیخ المکرم مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

طریقۂ ذکر

ذکر شروع کرنے سے پہلے یہ تسبیحات پڑھیں سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ○ أَسْتَغْفِرُ اللهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّأَتُوْبُ إِلَيْهِ ○ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ○ أَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ پھر ذکر شروع کردیں طریقہ نیچے درج ہے۔

دیئے گئے نقشے میں انسان کے سینے، ماتھے اور جسم پر لطائف کے مقامات بتائے گئے ہیں جن کا خیال کر کے ذکر کیا جاتا ہے۔

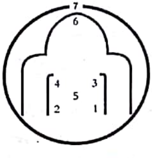

پہلا لطیفہ: بکمل یکسوئی اور توجہ کے ساتھ ہر سانس کی آمدورفت پر اس طرح گرفت ہو کہ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھُو" کی چوٹ قلب پر لگے۔ دوسرے لطیفے: کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھُو" کی چوٹ دوسرے لطیفے پر لگے۔ اسی طرح تیسرے چوتھے اور پانچویں لطیفہ کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اللہ دل میں اترے اور خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھُو" کی چوٹ اس لطیفہ پر لگے جو کیا جا رہا ہو۔

چھٹا لطیفہ: ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھُو" کا شعلہ پیشانی سے نکلے۔

ساتواں لطیفہ: ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھُو" کا شعلہ پورے بدن کے ایک ایک مسام اور خلیہ سے باہر نکلے۔

ساتویں لطیفہ کے بعد پھر پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ سب سے پہلے بیان ہوا ہے۔ ذکر کے دوران سانس تیزی اور قوت سے لیا جائے اور ساتھ ہی جسم کی حرکت جو سانس کے تیز عمل کے ساتھ خود بخود شروع ہو جاتی ہے۔ پورا خیال رہے کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ توجہ قلب پر مرکوز اور ذکر کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔

رابطہ: لطائف کے بعد رابطہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے۔ کہ رابطہ کے لئے سانس کی رفتار کو طبعی انداز پر لا کر ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" قلب کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھُو" کی چوٹ عرش عظیم سے جا ٹکرائے۔

ذکر کے بعد دعا مانگیں اور آخر میں شجرہ سلسلہ عالیہ پڑھیں جو اگلے صفحہ پر درج ہے۔

شجرہ مبارک

سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

الٰہی بحرمتِ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الٰہی بحرمتِ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

الٰہی بحرمتِ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت داوٗد طائی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ ابوایوب حضرت محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ سلطان العارفین حضرت خواجہ اللہ دین مدنی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت مولانا عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت قلزم فیوضات حضرت العلّام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ ختم خواجگان خاتمہ مَن وخاتمہ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی بخیر گردان

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ

کلامِ شیخ

شیخ المکرم شاعری فرماتے ہیں ان کے دو تخلص ہیں سیمابؔ اور فقیرؔ۔ شعری مجموعے درج ذیل ہیں۔

گردِ سفر	کون سی ایسی بات ہوئی ہے	نشانِ منزل
متاعِ فقیر	دل دروازہ	سوچ سمندر
آس جزیرہ		دیدۂ تر

درج ذیل کلام ''کون سی ایسی بات ہوئی ہے'' سے لیا گیا ہے

نعت

ہے رواں پھر آج تو سوئے حرم
پر دل ناداں ذرا یہ تو بتا
کون سی پونجی تیرے دامن میں ہے
تو ہے کس برتے پہ اس جا کو چلا
دعویٰ اسلام تیرا بے عمل
کیف سے بے گانہ ہے سجدہ تیرا
ہیں تیرے دامن پہ چھینٹے خون کے
تو نہیں لگتا کہیں سے پارسا
تیری گلیاں خون سے رنگین تر
شہر تیرا ایک اک جلتا ہوا
ظلم کی آندھی رواں گلشن میں ہے
ہر طرف پھیلے ہیں یوں جو روجفا
دین حق تھا رحمت حق کا امیں
رحمت عالم کا وہ لایا ہوا
جس کا سایہ نوع انساں کے لیے
ڈھال تھا سارے مصائب کی بنا
تھا زمانے میں امن کا وہ نقیب
ہر غریب و بے نوا کا آسرا

اقوالِ شیخ

1- اللہ کی تقدیر کو، اللہ کے احکام کو ماننا تسلیم ہے، اللہ کی تقسیم پہ راضی رہنا رضا ہے۔ (بیان مورخہ 27 جولائی 2014)

2- جس طرح بدن کی حفاظت کے لیے مضر صحت چیزوں سے احتیاط ضروری ہے اسی طرح روح کی حیات کے لیے اللہ کی نافرمانیوں اور گناہوں سے احتیاط ضروری ہے۔ (بیان 14-6-18)

3- عظمت رسالت پناہیؐ کو جتنا کوئی جانتا جائے اسے اپنے عجز کا اتنا احساس ہوتا جاتا ہے کہ یہ میرے علم کی حدود سے باہر ہے۔ (بیان ماہانہ اجتماع 15-1-4)

4- وسوسہ کا علاج صرف یہ ہے کہ وسوسہ آئے تو اس کی پروانہ کریں تو وسوسہ خود ختم ہوجاتا ہے۔ (بیان 18-6-2014)

5- ہماری کمزوری یہ ہے کہ ہم ہمیشہ تجزیہ دوسروں کا کرتے رہتے ہیں، ترازو ہاتھ میں ہوتا ہے، تولتے دوسروں کو رہتے ہیں۔ (بیان ماہانہ اجتماع 4-2015-1)

6- ایسے امور جن سے کچھ حاصل نہ ہو اور وہ محض وقت کا ضیاع ہوں مومن ان سے اس لیے اعراض کرتا ہے کہ دار دنیا میں سب سے قیمتی دولت وقت ہے۔ یہ وقت قرب حق کی تلاش کے لیے ہے (اکرم التفاسیر سورۃ المومنون آیت 4)

7- قرآن کے ہر لفظ میں اس کی اپنی ایک لذت ہے اس میں عظمت الٰہی بھی ہے، اس میں برکات نبوت ﷺ ہیں۔ یہ تجلیات باری کا بھی امین ہے اور نور نبوت ﷺ کا بھی امین ہے۔ (بیان ماہانہ اجتماع 8 فروری 2015 المرشد اپریل 2015)

8- عمل میں صلاحیت کی شرط یہ ہے کہ اللہ کا حکم ہو اور نبی کریم ﷺ کے طریقے کے مطابق ہو۔ (اکرم التفاسیر جلد ا۔ البقرہ تفسیر آیت 82)

9- جادوگروں اور شیطان سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ ہاں اپنے آپ سے، اپنے کردار سے، اپنے گناہوں سے ڈرنا چاہیے اور ہر وقت اللہ کریم سے معافی طلب کرنا چاہیے۔ (اکرم التفاسیر۔ سورہ البقرہ تفسیر آیت 103)

سالانہ اجتماع

7 جون 2015ء

سالانہ اجتماع کا اختتامی بیان

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

الحمدللہ! اللہ کریم کا احسان ہے کہ اس سال کا سالانہ اجتماع اپنی تکمیل کو پہنچا، الحمدللہ بہت سے طالبانِ حق سیراب ہوئے اللہ کے بندوں تک اللہ کریم کی بات پہنچی، اللہ کریم ان قافلوں کو قائم رکھے اور تشنہ گانِ حق کی سیرابی کا اہتمام فرمائے رکھے۔ وہ قادر ہے جو ہوتا ہے اسی کے کرنے سے ہوتا ہے، جو نہیں ہوتا وہ اسے خود ہی روک دیتا ہے، ایک ضروری بات عرض کرنا تھی، میں نے احباب سے کہی بھی میں نے کیا کہا، انہوں نے کیا سمجھا، پھر انہوں نے سمجھا کیا، لکھا کیا پھر المرشد میں دیا تو بات کچھ سے کچھ ہوگئی اور یہ ہوتا ہے بعض اداروں میں کورس بھی کرائے جاتے ہیں، دس بارہ بندوں کو فاصلے پر کھڑا کر دیتے ہیں، ایک بندہ ایک بندے کو جملہ کہتا ہے اس نے دوسرے کو کہنا ہوتا ہے اس نے دوسرے کو کہنا ہوتا ہے تو آخری بندے تک ساری بات بدل جاتی ہے، اور سننے والا اپنے شعور کے مطابق سنتا ہے، اپنی سمجھ کے مطابق آگے بیان کرتا ہے۔

وہ بات یہ تھی کہ بہت سے احباب، خواتین وحضرات ای میل بھیج دیتے ہیں کہ ہمیں بیعت کیا جائے۔ چار پانچ تقریباً روزانہ ہوتے ہیں اور کبھی نہیں بھی ہوتے لیکن عموماً چار، پانچ، چھ روزانہ ہوتے ہیں۔ دنیا کے مختلف ملکوں سے ہوتے ہیں۔ لوگ پاکستان میں رہتے ہیں لیکن ان کا آنا جانا مشکل ہوتا ہے کوئی بیمار ہے، کوئی ضعیف ہے تو وہ بھی Request بھیج دیتے ہیں۔ کبھی کبھی دس بارہ کبھی بیس بھی ہوجاتے ہیں تو میں نے ان سب کے لیے عرض کیا تھا کہ جو لوگ ای میل پر بیعت کرتے ہیں تو معاملہ صرف بیعت کر کے ختم نہیں ہوجاتا۔ بیعت تو ایک معاہدہ ہے کہ جو آپ کہیں گے وہ اگر دین کے خلاف نہیں ہوگا تو ضرور اس پر عمل کروں گا۔ بیعت تو ایک معاہدہ ہے۔ بیعت کا مطلب ہے بک جانا تو میں نے یہ عرض کیا تھا، شاید آج یہ بات میری زبان سے پہنچ جائے، ریکارڈنگ پہنچ جائے کہ جو لوگ ای میل کے ذریعے بیعت کرتے ہیں یا خط کے ذریعے کرتے ہیں، ڈاک کے ذریعے جو خط آتے ہیں وہ لوگ صرف بیعت پہ بس نہ کریں انہیں چاہیے کہ اگر یہاں تک آسکیں تو ضرور آئیں، نہیں تو ان کے قریب جو بھی مرکز ہے جہاں ذکر ہوتا ہے جو بھی دوست ہیں ان سے ملیں اور ذکر سیکھیں اور باقاعدہ اس پہ محنت کریں کیونکہ صرف بیعت ہونا مقصد نہیں ہوتا، بیعت ہو کر کرنا کیا ہے، مقصد وہ ہوتا ہے۔ بیعت تو ایک معاہدہ ہے کہ آپ جو کہیں گے وہ میں کروں گا، اور اس میں شرط صرف یہ ہے کہ وہ شریعت کے خلاف نہ ہو، کیونکہ شریعت کے خلاف اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کے خلاف کسی کی بھی اطاعت جائز نہیں ہے، نہ حکمران کی نہ پیر کی۔ تو ان احباب سے میری یہ گذارش ہے میں نے آج اس کی وضاحت کردی کہ جو ای میل یا پوسٹل لیٹر میں بیعت کی درخواست بھیجتے ہیں اور انہیں بیعت کرلیا جاتا ہے، تو انہیں چاہیے کہ مزید آگے محنت کریں۔ جہاں بھی قریب تر ساتھی ہیں ان سے سیکھیں۔ اللہ کا شکر ہے ذکر کرنے والے لوگ ہر شہر میں، ہر قریے میں موجود ہیں۔ ذکر کرنے والے لوگ باہر ممالک میں بھی موجود ہیں اب تو الحمدللہ! دنیا کا شاید ہی کوئی ایسا ملک ہو جس میں نہ ہوں تو ان ساتھیوں سے مل کر وہیں ذکر سیکھ لیں اور محنت کریں اللہ انہیں وہیں اپنے انعامات سے نواز دے گا۔ میں نے یہ عرض کیا تھا ساتھیوں کو المرشد میں چھپا بھی لیکن شاید میں نے کہا کچھ اور شائع کچھ اور ہوا۔ کچھ سمجھ نہیں آئی، مجھے نہیں آئی۔

جہاں تک میری یادداشت کام کرتی ہے تو ہمارا پہلا سالانہ جتماع 1961 میں ہوا تھا۔ ہماری زمینوں پر ایک ڈیرہ ہے باہر جنگل

بیابان میں اور کافی پہاڑی چڑھ کر اوپر وہ ڈیرہ ہے تو حضرتؒ کو وہ مقام بڑا پسند تھا، بلندی پر ہے گرمیوں میں ہوائیں چلتی ہیں موسم بہتر رہتا ہے۔ تو حضرتؒ تشریف لائے 1961 میں تو فرمایا ہم نے رہنا تو دو تین ہفتے ہے کیوں نہ ساتھیوں کو بلالیا جائے۔ عرض کی، ضرور بلائیں۔ مجھے یہ بات اچھی طرح یاد ہے کہ جو پہلا اجتماع حضرتؒ نے کیا تھا اس میں پندرہ ساتھی آئے تھے۔ اس وقت اس جنگل بیابان میں اتنے لوگوں کا انتظام کرنا کارِدارد تھا۔ پانی جوہڑوں کا ہوتا تھا جنگل میں ڈیرے پر اتنی چارپائیاں اتنے بستر اتنے برتن بھی نہیں ہوتے تھے۔ پتا نہیں کہاں سے پورے ہوئے، کیسے ہوئے لیکن اللہ کا شکر ہے اکٹھ کا سالانہ اجتماع وہاں ہوا۔ بنیادی پہلے اجتماع میں پندرہ ساتھی تھے یہ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ اگلے سال باسٹھ میں بھی وہیں ہوا۔ پہلا پندرہ دن کا تھا دوسرا حضرتؒ نے کچھ بڑھا دیا شاید تین ہفتے کا تھا، مجھے صحیح یاد نہیں، مدت کی بات ہے۔ میں اس وقت اسکول میں پڑھایا کرتا تھا۔ تریسٹھ میں میرا تبادلہ ڈھلوال ہو گیا۔ میں ایک سال ڈھلوال اسکول میں پڑھاتا رہا تریسٹھ کا اجتماع ڈھلوال میں ہوا یہ اللہ نے مجھے سعادت بخشی اور حضرتؒ وہیں تشریف لائے اور وہیں اجتماع ہوا۔ چونسٹھ میں واپس نور پور آ گیا، تو چونسٹھ کا اجتماع نور پور میں منعقد ہوا۔ حضرتؒ تشریف لائے احباب بھی آئے اور ایک سال اجتماع وہاں بھی ہوا۔ پینسٹھ (1965) سے اجتماع منارہ منتقل ہو گیا، اور پینسٹھ (1965) سے اناسی (1979) تک منارہ سکول میں اجتماع ہوتا رہا۔ ابتدائی طور پر اتنے ساتھی ہوتے تھے کہ بہت بڑا ساتوکرہ رکھا ہوا تھا ہم نے چھابے کی شکل کا اس کے گرداگرد روٹیاں رکھ کر درمیان میں بہت بڑی ہانڈی بنا کر رکھ دیتے۔ وہ میں گھر سے سر پر اٹھا کر سکول لے آتا تھا تو صبح شام اس طرح چلتا تھا، پانی مسجد میں نور پور سے منگوانا پڑتا تھا اپنے ٹرک لگاتے ڈرم بھر کر لے آتے تو اس طرح سے گذارہ ہوتا رہا۔ پینسٹھ (1965) سے اُناسی (1979) تک منارہ اسکول میں اجتماع ہوتا رہا۔ چونکہ اسکول ہمارے محلے کے اندر ہی تھا، ساتھ ہی گھر تھے سو گز کے فاصلے پر تو کام چلتا رہا۔ اسّی (1980) میں غالباً پہلا اجتماع یہاں ہوا۔ اٹھتر، اناسی (79-1978) میں بنیاد رکھی گئی اور اسی (1980) میں پہلا اجتماع یہاں ہوا۔ یہ لائبریری چھتی ہوئی تھی، یہ کمرہ حضرتؒ جی کا ہوتا تھا وہ چھتا ہوا تھا اور ایک کمرہ اس طرف جو خواتین کے تصرف میں ہے اس پر چھت تھی باقی صرف بنیادیں تھیں۔ اسی (1980) کے اجتماع میں مسجد میں یہیں بیٹھ کر ساتھی ذکر کرتے تھے۔ یہاں باہر میرا گیراج ہوتا تھا۔ میرا کوئلے کے بزنس کا یہاں دفتر تھا اور گاڑیوں کا گیراج ہوتا تھا۔ اس گیراج میں ہم نے تندور لگا لیا، بادل بارش بھی آئے تو وہیں کھانا پکتا تھا۔ اور اسی (1980) سے یہیں شروع ہوا الحمدللہ! اب 2015 کا اجتماع ہے۔ اسّی (1980) سے 2015 تک 35 سال یہاں بھی اجتماع کو ہو گئے۔ یہ بات جو ایک، دو تین بندوں سے شروع ہوئی تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ حضرتؒ کے ساتھ مقامی ساتھی تین چار ہوا کرتے تھے جو گارڈ کی ڈیوٹی بھی دیتے تھے تو صرف وہ چار پانچ ساتھی حلقہ ذکر میں تھے اور حضرتؒ جی خود، ان چار پانچ میں سے بھی دو ساتھی جو تھے ان کے فنا بقا کے مراقبات بھی تھے اور انہیں مشاہدات بھی ہوتے تھے باقی بس ساتھ ذکر کر لیتے تھے، لگے رہتے تھے۔ حضرتؒ کے چونکہ جلسے اور مناظرے اسی طرح کے ہوتے تھے وہ ساتھ پھرتے رہتے تھے اور گارڈ کی ڈیوٹی بھی دیتے تھے۔ حضرتؒ کے ساتھ ہی رہتے تھے۔ جب میں حلقے میں آیا تو اس وقت حضرتؒ نے اعلان عام کیا تھا۔ یہ نظام چونکہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ اور مشائخ عظام کے تابع چلتا ہے تو مشائخ نے حضرتؒ کو فرمایا کہ آپ اسے عام کریں تب حضرتؒ نے تقریر میں جلسے میں فرمایا کہ جسے فناء فی الرسولؐ چاہیے وہ میرے پاس آئے۔ اس وقت حضرتؒ نے فرمایا تھا کہ چھ مہینے پاس رکھوں گا، کھانا خود سے دوں گا، محنت کراؤں گا اور پھر فناء فی الرسولؐ نصیب ہو جائے گا۔ ایک جلسہ یہیں پدھراڑ میں تھا اس کے بعد حضرت یہاں منارہ آئے، یہاں بھی بیان ہوا، پھر وسنال گئے پھر کلر کہار گئے، پھر واپس گھر تشریف لے گئے۔ اس وقت تو جرآت نہ ہوئی جب حضرتؒ تشریف لے گئے تو پھر پیچھے ہی چکڑالہ حاضر ہوئے۔ حضرتؒ نے مہربانی کی، ذکر میں شامل کر لیا، توجہ فرمائی، طریقہ ذکر سکھایا۔ اگر کسی دوسرے کے لیے عرض کیا جاتا تو اعتراض فرماتے کہ نہیں بھئی جسے طلب ہو گی ٹھیک ہے، ایسے ہی خواہ مخواہ کسی بندے کو کہنا درست نہیں ہے۔ پھر الحمدللہ! اللہ کریم نے اس نعمت کو عام کیا اور حضرتؒ کے وصال تک تو یہ ملک میں اور باہر ممالک میں پھیل چکا تھا۔ بہت سے ممالک میں بھی ذکر کے ساتھی ہو گئے تھے

اور ذکر ہوتا تھا۔ الحمدللہ! اللہ کی عطا سے چلتے چلتے اب یہ جماعت اس مقام پہ پہنچ چکی ہے کہ کم وبیش دنیا کے بیشتر ممالک میں اللہ کا ذکر کرنے والے ساتھی موجود ہیں۔ اکثر ممالک میں باقاعدہ مراکز ہیں ،جماعتیں ہیں۔ اور یوں یہ اللہ کریم کا اپنا ایک نظام ہے، اللہ کریم چیزوں کو balance رکھتے ہیں، جس سے نظام کائنات چلتا ہے۔

اگر سورج اپنے راستے سے تھوڑا سا بھٹک جائے تو دنیا تباہ ہوجائے، چاند اگر مقررہ راستے سے تھوڑا سا ہٹ جائے تو نظام مختل ہوجائے، کوئی ستارہ کوئی سیارہ یا زمین اپنی گردش بدل دے تو سارا نظام مختل ہوجائے۔ یہ سارا رب العالمین کا بندھا نظام ہے۔ جب تھوڑا سا ہواؤں کا نظام بدلتا ہے تو طوفان آجاتے ہیں بڑی بڑی عمارتیں گرتی ہیں، بڑے بڑے درخت گرجاتے ہیں زمین کا ذرا سا توازن کہیں بگڑ جائے تو زلزلہ آجاتا ہے۔ چھوٹی چھوٹی چیزیں قدرت دکھاتی ہے کہ ایسا بھی ہوسکتا ہے کیونکہ بنی آدم کے کردار سے ہر چیز متعلق ہے تو قدرت یہ تماشہ دکھاتی رہتی ہے کہ جب تم بگڑو گے تو ان چیزوں میں بگاڑ آئے گا پھر تم بسو گے کہاں؟ جو خوش نصیب ہیں وہ اس سے سبق حاصل کرتے ہیں اور جو بدنصیب ہیں ان کے لیے ہونا نہ ہونا برابر ہوتا ہے۔ اسی طرح انسانی کردار اور گفتار میں توازن رکھا جاتا ہے۔

شروع شروع میں جب نزول عیسیٰؑ کے بارے حدیث شریف میں پڑھا تو دماغ الجھتا تھا، کہ اگر نبی کی ضرورت ہوگی تو اللہ قادر ہے جس نے کم وبیش سوا لاکھ انبیاء مبعوث فرمائے ہیں ایک اور نبی مبعوث فرمائے گا۔ بلا ضرورت نبی کے آنے کا کوئی جواز سمجھ میں نہیں آتا کہ نبی تو ہمیشہ تب آتا ہے جب ضرورت ہوتی ہے تو پھر عیسیٰ علیہ السلام کو باقی رکھنے کا کیا مقصد لیکن وہ عہد آج کی طرح بے باک نہیں تھا، حضرات سے مشائخ سے اساتذہ سے حیا آتی تھی اور کبھی یہ سوال پوچھنے کی جرات نہیں ہوئی۔ ہم سے تو اب عجیب وغریب سوال پوچھے جاتے ہیں ناں! اس زمانے میں اتنی بے تکلفی نہیں ہوتی تھی۔ سمجھ نہیں آتی تھی، پوچھتے بھی نہیں تھے۔ اب جا کر اس کی وجہ سمجھ آئی کہ جب انسانی کردار بگڑ جاتے ہیں تو نظام کائنات کو متوازن رکھنے کے لیے اللہ کریم دوسری طرف کچھ لوگوں کی بہت اصلاح کردیتے ہیں کہ ایک طرف سے نری ظلمت آرہی ہے تو دوسری طرف سے نور، اس سے زیادہ نہ آئے تو اتنا نور کم ازکم آئے کہ اس کو balance رکھے۔ ظلمت سے بربادی ہوتی ہے نور آبادی کا سبب بنتا ہے۔ زمانے نے یکا یک پلٹا کھایا، میں غیر مسلموں کی بات نہیں کرتا مسلمانوں کی زندگیاں بدل گئی ہیں۔ عجیب بات ہے لوگ نماز ادا نہیں کریں گے لیکن رات ایک بجے تک بیٹھے رہیں گے، پھر کھانا کھائیں گے پھر نہا کر سوئیں گے پھر صبح گیارہ بجے اٹھیں گے یعنی رات کو دن کے کام شروع کردیے ہیں اور رات کو دن بنا دیا۔ آپ کسی بڑے شہر چلے جائیں گیارہ بارہ سے پہلے کوئی دکان نہیں کھلتی، کوئی بازار میں نہیں آتا ،رات کے دو بجے تک جاگتے رہے، صبح گیارہ بجے تک سوتے رہے۔ زندگیوں کا ماحول بدل گیا ہے، کبھی کسی نے سوچا بھی نہیں تھا کہ کھانے کیلئے پیسے دے کر گوشت خریدیں گے تو آگے سے حرام گوشت ملے گا۔ کبھی کسی نے سوچا نہیں تھا۔ اب اتنا مردار بک رہا ہے کہ اب یہ سوچنا مشکل ہے جو گوشت میں لے رہا ہوں یہ حلال ہے بھی کہ نہیں اور ہمارے دیہات میں تو کسی کی گائے مرجاتی، بھینس مرجاتی، کتا، بلا یا گھوڑا مرجاتا تو گاؤں کے باہر پھینک دیتے اور گدھیں آجاتیں کھا پی جاتیں۔ اب نہ کوئی مردار نظر آتا ہے نہ فضا میں کوئی گدھ نظر آتا ہے اب مردار پھینکا نہیں جاتا کاٹ کے بیچا جاتا ہے اور لینے والوں کا حال یہ ہوگیا کہ سود کے یا رشوت کے پیسے جیب میں لے کر حلال گوشت ڈھونڈتے ہیں۔ جو پیسہ جیب میں ہے وہ سود کا ہے یا رشوت کا ہے وہ حرام ہے اور تلاش ہو رہی ہے کہ حلال گوشت مل جائے یعنی عجیب سی روش انسانی معاشرے کی ہوگئی ہے۔ باقیوں کو چھوڑ دو میں اپنے مسلمان معاشرے کی بات کررہا ہوں یہ ہمیں کیا ہوگیا ہے! کافر معاشرے کو ہم دیکھیں تو وہاں کم ازکم کھانے کی چیزیں جو ہیں وہ میڈیکلی درست ہوتی ہیں یعنی صحت کے لیے مضر نہیں ہوتیں خواہ اس سے ایمان چلا جائے۔ لیکن جو مادی اور جسمانی صحت ہے یہاں اس کی بھی کوئی پابندی نہیں۔ ہمارے مسلمان معاشرے میں یا کم ازکم ہمارے ملک میں جو ہم دیکھ رہے ہیں یہاں جس کا جو جی چاہے بیچے اور جس کا جو جی چاہے کھائے۔ مرتا ہے تو مرے کسی کو کوئی پروا نہیں۔ علماء کے نزدیک کردار کا تعلق غذا سے ہوتا ہے۔ انسانی مزاج کی تربیت جو ہوتی ہے اس کے بارے علمائے حق فرماتے ہیں کہ اسی فیصد اثر اس پر غذا کا ہوتا ہے، پندرہ فیصد اثر

اس پہ گھر کے ماحول اور والدین کا ہوتا ہے اور پانچ فیصد وہ باہر معاشرے سے سیکھتا ہے۔ چونکہ بچہ اکثر گھر میں ہی رہتا ہے والدین اسے جو غذا دیتے ہیں اس کا اثر اسی فیصد ہوتا ہے۔ہم حضرت جیؒ کے ساتھ لاہور میں تھے ، اکھاڑہ بوٹا مل میں مسجد تھی۔ اکھاڑہ بوٹا مل لاہور کا ایک محلہ ہے کئی دن ہمارے ساتھ ایک بزرگ رہے ریٹائرڈ افسر تھے۔ اچھے عہدے سے ریٹائر ہوئے تھے۔ انہیں یہ شکوہ تھا کہ بیٹے نے گھر سے نکال دیا ہے۔ اب رہنے کو جگہ ہے نہ کھانے کو کچھ پاس ہے۔ حیرت ہوتی تھی کہ بیٹے نے گھر سے نکال دیا ہے! اب سمجھ آتی ہے کہ غذا کا اثر تھا۔ کبھی کبھی مجھے اس کا خیال اب بھی آتا ہے تو سمجھ آتی ہے کہ اس نے اپنے بیٹے کو رشوت سے پالا ہوگا۔ اب حرام کھا کر جو مزاج بنا وہ ویسا ہی ہونا تھا ویسے ہی اسی فیصد مزاج کا مدار غذا پر ہے۔ غذا میں اگر مردار کھلائے جا رہے ہیں تو کردار کس طرح کا ہوگا؟ اب ہمارا پاکستانی معاشرہ اس درجے کو پہنچ چکا ہے کہ آپ گھر میں بیٹھ کر آرام سے خبریں بھی نہیں سن سکتے کیونکہ ان کے درمیان میں بھی لڑکیاں برہنہ ناچتی ہوئی اشتہار میں آجاتی ہیں تو عجیب سا ماحول بن گیا ہے۔ کھانے میں، غذا میں، رشوت، سود کو شیر مادر سمجھ لیا گیا۔ سود مل گیا، حرام مل گیا، کردار میں ظلمت آ گئی یہ ساری چیزیں مل کر جب تباہی کی طرف لے جاتی ہیں تو اللہ کریم دوسری طرف ایسے نام کو ، اپنی ذات کو، اپنے کلام کی کیفیات کو عام کر دیتا ہے۔ اللہ کریم اس طرف اتنی زیادہ روشنی کر دیتے ہیں کہ یہ نظام بیلنس ہو کر چلتا رہتا ہے۔

عرض کیا گیا، یارسول اللہ ﷺ! قیامت کب قائم ہوگی؟ یہ ایک طویل لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے حضور ﷺ نے فرمایا حتیٰ لایُقالُ اللہ اللہ (المسلم) او کما قال رسول اللہ ﷺ جب کوئی اللہ اللہ کرنے والا نہیں ہوگا قیامت قائم ہو جائے گی گویا یہ اللہ اللہ اور اس کی کیفیات بقائے عالم کا سبب ہیں۔

مولانا احمد علی لاہوریؒ کی ایک تقریر مجھے یاد ہے۔ ان کی تقاریر خدام الدین میں چھپ جاتی تھیں۔ فرماتے تھے کہ اے اہل لاہور! یہ نہ سمجھو کہ تمہاری شان وشوکت سے کائنات قائم ہے جنہیں تم کچھ نہیں سمجھتے، فقیر سمجھتے ہو، غریب سمجھتے ہو یہ ان کی اللہ اللہ کی وجہ سے قائم ہے۔ تمہاری عیاشیوں سے قائم نہیں ہے۔ جب بھی برائی عام ہو جائے اللہ کریم اللہ اللہ کی یہ نعمت عام کر دیتے ہیں، اور اس نظام کو بیلنس رکھتے ہیں۔ اب برائی اتنی پھیل گئی ہے کہ ہمارے جیسے لوگ بھی نیکوں میں شمار ہوتے ہیں۔ جب ماحول میں نیکی تھی تو شاید ہم ان کے چوکیدار بننے کے اہل بھی نہیں تھے۔ اب اللہ کا احسان ہے۔ وہ کسی کو بھی عطا کر سکتا ہے، جسے چاہے عطا کر سکتا ہے، یہ اس کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں یہ توفیق بخشی اور دوسری طرف اس کا نام لینے، اس کی روشنی پھیلانے کی توفیق عطا کر دی۔ بیشمار لوگ نمازیں پڑھتے ہیں۔ الحمد اللہ ایک عجیب بات ہے جیسے بھی ہیں بڑی بڑی مساجد ہیں، شہروں میں جب اذان ہوتی ہے مساجد بھر جاتی ہیں، اچھے ہیں برے ہیں بھلے ہیں، جیسے بھی ہیں مساجد بھی آباد رکھتے ہیں، سارا سال چلے رہتے ہیں حرم کعبہ کوئی آ رہا ہے کوئی جا رہا ہے پہلے پہلے صرف حج پر جاتے تھے، اب تو روزانہ جس کا جی چاہتا ہے وہ چھوٹے حج پہ چلا جاتا ہے۔ عمرہ بھی تو حج اصغر ہے، یہ حج اکبر کی اصطلاح جو ہے یہ عمرے کے مقابلے میں بھی ہے ورنہ سارے حج، حج اکبر ہیں۔ حج، حج اکبر ہوتا ہے۔ عمرہ، حج اصغر ہے۔ تو یہ ایک رواج ہو گیا ہے کہ جمعہ کو حج آجائے تو حج اکبر ہے۔ یہ بات نہیں ہے حج کو حج اکبر کہا گیا ہے عمرے کے مقابلے میں۔ قرآن کریم کی اصطلاح میں عمرہ حج اصغر ہے اور یہ جو سالانہ حج ہے یہ حج اکبر ہے۔ تو لوگ چلتے رہتے ہیں بظاہر دیکھنے میں برائی سے نیکی بھاری نظر آتی ہے، لوگ زیادہ تعداد میں ہیں، اس کا اثر کیوں نہیں ہوتا؟ دیکھیں ہر شخص جو بات کرتا ہے اس کی حیثیت کے مطابق اس کی بات میں کیفیت ہوتی ہے، ایک بندہ بات کرتا ہے ہمارا دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ خوش ہو جاتے ہیں۔ خوشی ایک کیفیت ہے، الفاظ تو ہم نے سنے، کانوں کے ذریعے دماغ میں داخل ہو کر analyse ہوئے، بات سمجھ آ گئی لیکن اس کی ایک کیفیت بھی ہوتی ہے۔ جیسے ایک بندہ بات کرتا ہے ہمیں اس کی بات سے دکھ ہوتا ہے، یہ دکھ کیا ہے ان الفاظ کے ساتھ جو کیفیت تھی وہ یہ ہے۔ ایک بندہ بات کرتا ہے تو غصہ آجاتا ہے۔ غصہ ایک کیفیت ہے جو جملے اس نے استعمال کیے، جو الفاظ اس نے چنے ان میں کچھ ایسی چیز تھی کہ ان کی کیفیت آئی تو ردعمل کے طور پر غصہ پیدا ہو گیا۔ بندے کے کلام میں کیفیت ہے۔ شاعر ایک شعر کہتا ہے وہی الفاظ ہوتے ہیں جو ہم روزمرہ استعمال کرتے ہیں وہ ان کے جملوں اور مصرعوں میں بندش کر دیتا ہے۔ ان الفاظ کو وہی روزمرہ کے الفاظ

ہوتے ہیں بڑے خوبصورت لگتے ہیں بڑے پیارے لگتے ہیں وہی الفاظ کوئی گا دیتا ہے تو لوگ فدا ہو رہے ہوتے ہیں۔ اس پہ کیوں فدا ہو رہے ہیں کیونکہ کیفیت وجد کی طاری ہوتی ہے۔ بندے کے کلام میں اگر کیفیت ہے تو اللہ کے کلام میں کتنی ہے! اللہ کریم جب کلام سے نوازتے ہیں اور جب اللہ کلام فرماتے ہیں تو اس میں کتنی کیفیت ہوگی؟ یہ کیفیت کہاں سے تلاش کی جائے؟ جہاں سے اللہ کا کلام ملا۔ سادہ سی بات ہے۔ اللہ کا کلام کہاں سے ملا؟ یہ بارگاہ محمد رسول اللہ ﷺ سے ملا۔ نبی کریم ﷺ نے بتایا کہ یہ قرآن ہے یہ اللہ کا ذاتی کلام ہے تو تعلیمات نبوت میں بنیاد اللہ کریم کا کلام ہے، اور اس کی تفسیر محمد رسول ﷺ کی حدیث ہے۔ اس کلام کی جو کیفیات قلب پر وارد ہوئیں انہیں الفاظ میں ڈھال کر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی شرح کر دی وہ حدیث ہے۔ اب ہم قرآن کے الفاظ لیتے ہیں، حدیث شریف کے الفاظ لیتے ہیں، کوئی کیفیت وارد ہوتی ہے؟ جس طرح الف لیلیٰ کی کہانی ہم بیٹھ کر پڑھ جاتے ہیں اسی طرح بیٹھ کر ہم قرآن بھی پڑھ جاتے ہیں۔ اور اس سے کوئی کیفیت وارد نہیں ہوتی۔

یہ جو اکثریت بے نمازیوں کی، حاجیوں کی، قاریوں کی اس میں طاقت نہیں ہے۔ جو نحوست آج کل کی برائی میں ہے وہ زیادہ مضبوط ہے۔ ان (نمازیوں) کی اکثریت کے پاس الفاظ ہیں، اللہ ان کے الفاظ قبول فرمائے انہیں نیک اجر دے لیکن الفاظ کا وزن کیفیت سے بنتا ہے۔ کیفیت کس کے پاس ہے؟ یہی تو مسئلہ ہے، الفاظ ہیں، سجدے ہیں، رکوع ہیں، طواف ہیں، عمرے ہیں، حج ہیں، کیفیات نہیں ہیں۔ اس لیے آپ دیکھتے ہیں ایک بندہ چوری کرتا ہے، خواہ دکاندار ہے، قیمت زیادہ لے لیتا ہے، چیز گھٹیا دیتا ہے، کوالٹی کم دیتا ہے، quantity کم کر دیتا ہے، چوری کر کے پھر وہ عمرے پہ چلا جاتا ہے۔ اب حج یا عمرہ ایک آخری دوا ہے انسان کی اصلاح کے لیے۔ استطاعت ہو تو اللہ نے زندگی میں ایک حج فرض کیا ہے، وہ کافی ہے۔ ہم ہر سال کرتے ہیں۔ کوئی بدلتا ہے؟ اس لیے کہ حج اور عمرے میں جو کیفیات ہوتی ہیں وہ نہیں ہیں ہم بھاگ دوڑ کر آجاتے ہیں۔ نمازیں روز پڑھتے ہیں۔ اکثر دکاندار نمازیں پڑھتے ہیں لیکن کام صحیح نہیں کرتے۔ اکثر صاحب اقتدار و اختیار نمازیں پڑھتے ہیں سرکاری محکموں کے آفیسر نمازیں پڑھتے ہیں لیکن جب دفتر میں بیٹھتے ہیں تو سارا

لٹ پلٹ ہو جاتا ہے۔ ان کا کردار کیوں نہیں بدلتا؟ اس لیے کہ ان کی عبادات محض حرکات و سکنات ہیں الفاظ ہیں، کیفیات ان میں نہیں۔

نبی کریم ﷺ سے جن لوگوں نے قرآن سیکھا، جب وہ ایمان لائے حضور ﷺ کے سامنے آئے تو قرآن تک پہنچنے سے پہلے قرآنی کیفیات ان کے قلوب میں پڑ گئیں اور کوئی تخصیص نہیں تھی۔ پڑھا لکھا، ان پڑھ، امیر، غریب، بچہ، بوڑھا نگاہِ ناز میں آیا سیراب ہو گیا۔ صحابیت کیا تھی محبت نبوی ﷺ میں جو کیفیت وارد ہونی چاہیے وہ جس پہ وارد ہو گئی وہ صحابیؓ ہو گیا۔ اب اس کی شرط یہ تھی کہ حضور ﷺ کے اس زمانہ حیات مبارکہ میں جب اس دنیا میں حضور ﷺ تھے، اس میں حضور کے سامنے ہو یا حضور ﷺ کو دیکھے یا حضور ﷺ کی محفل میں حاضر ہو، تب وہ کیفیت منتقل ہو کر صحابیؓ بن سکتا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے جہاں اللہ کا کلام پہنچایا وہاں اس کی کیفیات بھی بانٹیں، سب کو صحابی بنا دیا۔ صحابہؓ پر کیفیات ختم نہیں ہو گئیں، کیونکہ کلام الٰہی جہاں جہاں پہنچا اپنی کیفیات کے ساتھ پہنچا۔ جو صحابہؓ کی خدمت میں پہنچا وہ تابعیؒ ہو گیا، تابعینؒ کی خدمت میں پہنچا تبع تابعیؒ ہو گیا، الفاظ بھی کیفیات سمیت انہوں نے لیں۔ تبع تابعینؒ کے بعد اللہ نے جنہیں توفیق دی انہوں نے بھی کیفیات سمیٹ لیں وہاں ایک اور ضرورت پیدا ہو گئی، حضور ﷺ کی نگاہِ ناز میں جو آیا ایک نگاہ میں اس کا قلب بھی صاف ہو گیا، سینہ بھی صاف ہو گیا، گناہ بھی مٹ گئے نیکی کی استعداد بھی پیدا ہو گئی، انوارات و تجلیات برداشت کرنے کی استطاعت بھی نصیب ہو گئی اور وہ صحابیؓ ہو گیا ان کا کام تو ایک نگاہ میں ہو گیا۔ یہی مجاہدہ تابعین کا تھا کہ جسے کسی صحابیؓ کی صحبت کا ایک لمحہ میسر ہو گیا تبع تابعی ہو گیا۔ تبع تابعین تک یہ کمال چلتا رہا۔ جوں جوں حضور ﷺ کے زمانے سے بعد ہوتا گیا، استطاعت کم ہوتی گئی جب چوتھی نسل آئی تو انہیں چیزیں اس طرح نہیں ملیں۔ انہیں پہلے سینہ اور دل صاف کرنا پڑا، دل کا برتن مانجھنا پڑ گیا كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم (المطففین 14) پھر اس پر ہلکے ہلکے زنگ آنے شروع ہو گئے۔

کیوں لوگ الفاظ و کیفیات حضور ﷺ سے نہیں لیتے؟ جب حضور ﷺ بانٹ رہے ہیں، مفت بانٹ رہے ہیں۔ فرمایا ان کے دلوں پر زنگ آ گیا ہے۔ دلوں پر زنگ آتا ہے تو وہ برکات کو مانع ہو جاتا ہے، اور برکات ہی جب نصیب نہ ہوں تو پھر الفاظ پہ بھی توجہ کم

جاتی ہے ایک شخص کو آپ آم کا سارا گودا نکال کر صرف گٹھلی صاف کر کے دیں تو اسے وہ کیا کرے گا کیوں خریدے گا؟ تو الفاظ وہ گٹھلی رہ جاتے ہیں، برکات نصیب ہوں تو گٹھلی سے درخت بن جاتا ہے۔ اس پہ ہزاروں آم لگ جاتے ہیں۔

پھر لوگوں کو دل مانجھنے پڑے جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے لِكُلِّ شَيْءٍ صِقَالَةٌ وَصِقَالَةُ الْقُلُوبِ ذِكْرُ اللهِ او کما قال رسول اللہ ﷺ (بیہقی)

ہر چیز کی ایک پالش ہوتی ہے جس سے اسے مانجھا جائے تو صاف ہو جاتی ہے، چمک اٹھتی ہے، دلوں کی پالش اللہ کا ذکر ہے۔ تو تبع تابعینؒ سے جنہوں نے کیفیات حاصل کیں انہوں نے ذکر الٰہی سے دلوں کو مانجھا، صاف کیا، محنت کی تو اللہ نے ان میں وہ کیفیات ڈال دیں۔ تب سے اب تک اور قیامت تک یہ عمل جاری رہے گا۔ اس میں میری کوشش، آپ کی محنت، کسی کی کاوش شامل نہیں ہے۔ یہ اللہ کا نظام ہے اس نے جاری رکھنا ہے۔ اور یہ اس کا احسان ہے، اس نے اپنے بندوں میں سے کسی نہ کسی کو اس کام پہ لگائے رکھنا ہے۔ یہ اس کا احسان ہے کہ ہمیں اس کی توفیق عطا کر دی۔ یہ ہمارا احسان نہیں ہے کہ ہم ذکر کے حلقے میں آگئے کہ ہم نے بڑا کمال کر دیا یہ ہمارا کمال نہیں ہے ذکر اذکار، یہ اس کا احسان ہے۔

منت منہ کہ خدمت سلطان مے کنی
منت ازو بداں کہ بخدمت گزاشتت

فارسی شاعر نے کہا تھا کہ تم احسان نہ کرو کہ بادشاہ کی نوکری کر رہے ہو احسان تو بادشاہ کا ہے کہ اس نے تمہیں ملازم رکھ لیا ورنہ ہزاروں لاکھوں لوگ ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں جسے چاہتا رکھ لیتا۔ تو یہ نظام تو اللہ نے قائم رکھنا ہے۔ بڑے بڑے حضرات کے قصے ہم پڑھتے ہیں وہ ایک دو چار بندوں کو ذکر بتاتے تھے باقی سب کو ظاہری اصلاح بتا کر، تسبیحات بتا کر رخصت کر دیتے تھے۔ بھلے زمانے تھے نیکی بدی کا کچھ توازن برقرار تھا۔ اب ایک طرف جب برائی بہت بڑھی تو دوسری طرف اللہ کریم نے یہ شعبہ بھی بڑھا دیا، وزن تو برابر رکھنا ہے Balance تو رکھنا ہے۔ پہلے کفار میں برائیاں تھیں، غیر مسلموں میں بھی برائیاں تھیں، مسلمان کچھ نہ کچھ احتیاط کرتے تھے، اب عالم اسلام میں بھی تاریکیاں چھانے لگ گئی ہیں، طوفان ایسے اٹھے کہ انہوں نے مسلمانوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا تو اللہ کریم نے دوسری طرف یہ نعمت عام کر دی ورنہ مجھے اور آپ کو یہ نعمت کب نصیب ہونا تھی، ہم کس کھیت کی مولی ہیں، ہماری کیا حیثیت ہے؟ یہ ہمارے بخت جاگ گئے کہ قدرت کو یہ منظور تھا اس میں کچھ لوگوں کو اس نے چننا تھا اس نے ہمیں چن لیا۔ یہ اس کا انتخاب ہے اور اس کا احسان ہے الحمدللہ!

یہ ساری حکایت میں نے آپ کو اس لیے سنائی ہے کہ ہمارے ملک میں دینی اجتماعات بھی ہوتے ہیں تبلیغی جلسے بھی ہوتے ہیں تو ان سب کا حاصل دعا ہوتی ہے۔ کیونکہ سارے جلسے میں باتیں ہی باتیں ہوتی ہیں کیفیات نہیں ہوتیں، ہوتی تو دعا میں بھی نہیں، صرف لوگ اپنے اپنے دکھوں کو بیٹھ کر روتے رہتے ہیں، کوئی قرب الٰہی کے لیے روتا ہوا میں نے نہیں دیکھا، کوئی وصول الی اللہ کے لیے نہیں روتا اپنے دنیوی دکھوں کو لے کر روتے رہتے ہیں۔ اور وہ جو دعا کرانے والے حضرات ہوتے ہیں وہ بھی نفسیات کے ماہر ہوتے ہیں۔ نفسیات کو پڑھنا ضروری نہیں ہے جب لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے تو نفسیات تجربہ میں آجاتی ہے انہیں بھی لوگوں کی کمزوریاں پتہ ہوتی ہیں۔ وہ کہتے ہیں یا اللہ! میرے کاروبار میں ترقی دے جن کو نقصان ہوتا ہے وہ دل گرفتہ ہو کر رونا شروع کر دیتا ہے کہ یا اللہ مجھے نقصان سے بچا، بے چارہ رونے لگ جاتا ہے میرا تو نقصان ہو گیا۔ آج مولوی دعا کر رہا ہے تو وہ اپنا دکھ روتا ہے۔ پھر مریضوں کے لیے دعا ہوتی ہے۔ کہ اولاد کو بیماری سے بچا، جس کسی کا بیٹا بیمار ہے وہ بے چارہ رونے لگ جاتا ہے۔ کسی کی بیوی روٹھ گئی ہے تو مولوی دعائیں کرتا ہے یا اللہ ہمارے گھروں کو آباد رکھ تو وہ رونے لگ جاتا ہے کہ میرا گھر تو اجڑ گیا مولوی صاحب کو آج یاد آیا۔ تو یہ دعا میں لوگوں کے دکھوں کو چھیڑتے ہیں کہ کس کس کی کیا کمزوری ہے۔ یہ باقاعدہ فن ہے اور اس دعا میں پھر ہر بندہ رو رہا ہوتا ہے، ہر ایک کی کوئی نہ کوئی کمزوری تو ہوتی ہے، وہ بیچارے رو رہے ہوتے ہیں پھر اخباروں میں چھپتا ہے۔ فلاں حضرت نے دعا کرائی لوگوں کی ہچکیاں بندھ گئیں دعا ہچکیاں باندھنے کے لیے ہے یا اللہ کریم سے بات کرنے کے لیے ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ (ترمذی) او کما قال رسول ﷺ دعا ساری عبادتوں کا حاصل ہے۔

دعا کیا ہے؟ یہ ایک عاجز بندے کو براہ راست اللہ کریم سے مخاطب کر دیتی ہے تو ساری عبادتوں کا حاصل تو قرب الٰہی ہے تو جب آپ کو بالمشافہ گفتگو کی توفیق مل جاتی ہے تو اس سے بڑا قرب الٰہی کیا ہوگا۔ دعا میں ٹھیک ہے، رونا بھی آتا ہے لیکن دل میں بشاشت آنی چاہیے، آنکھیں رو بھی رہی ہوں تو دل میں فرق آئے۔ اللہ کریم سے آپ جب براہ راست بات کر رہے ہوتے ہیں تو بندہ بندہ ہے اللہ کی ذات بندے کی رسائی سے وراالوراء ہے تو اس فاصلے کا، ایک ہجر کا دکھ تو ہوگا ٹھیک ہے بندہ بندہ ہے اپنی حیثیت میں ہی رہے گا۔ طلب دیدار کی اگر موسیٰ علی السلام کو تڑپا دیتی ہے تو ماوشما کی کیا حیثیت! وہ جو اہل اللہ ہوتے ہیں وہ اس دکھ میں روتے ہیں۔ ان کا کوئی بیٹا بیمار نہیں ہوتا، کوئی بیوی روٹھ نہیں گئی ہوتی، کوئی کاروبار میں نقصان نہیں ہوتا۔ وہ جو ایک ان دیکھا ہجر ہے کہ اللہ موجود بھی ہے اور ہماری رسائی میں بھی نہیں تو جب اللہ محبوب بن جاتا ہے، مطلوب بن جاتا ہے مقصود بن جاتا ہے تو پھر بندے کا دل چاہتا ہے بندہ بندہ ہے دیکھ کر انجوائے کروں، بات کروں۔ بات کرتا ہے تو بات بھی یک طرفہ ہوتی ہے، دیکھ سکتا نہیں تو اللہ کے بندے اس دکھ میں روتے ہیں۔ دنیا دار اپنے دنیا کے دکھوں میں روتا ہے۔ روتے سارے ہی ہیں لیکن فرق ہوتا ہے۔

تو یہ ایک رواج بن گیا ہے کہ اجتماع ہے، تبلیغی ہے، تین دن کا ہے، بندے تیسرے دن آتے ہیں چلو دعا میں شامل ہو جائیں۔ ایک چلے کا ہے بندے چالیسویں دن آتے ہیں چلو دعا میں شامل ہوں۔ یہ جو سلسلہ عالیہ کا اجتماع ہے اس کی میں نے آپ کو پوری حکایت سنا دی۔ یہ تاریخی امانت ہے، جماعت کی امانت ہے، بیان ہو گیا، اس کی تاریخ بن جائے گی۔ بعد میں آنے والوں کے کام آئے گی تو یہ برتن سازی کا اجتماع ہے۔ یہاں سینے مانجھے جاتے ہیں، یہاں قلب صاف کیے جاتے ہیں، تو یہاں کا اصل فائدہ یہ ہے کہ آپ وقت لے کر آئیں، وقت لگائیں، محنت کریں اور اپنا دل مانجھیں اور چمکائیں۔ دعا کی اپنی برکات ہیں نہ آنے سے دعا میں آجانا پھر بہتر ہے کوئی شمولیت ہو گئی لیکن وہ جو حق ہے وہ ادا نہیں ہوتا۔ تو اکثر دوست دعا کے لیے عرض کرتے ہیں کہ چلو جی ہم بھی دعا میں شامل ہو جائیں۔ اللہ سب کو قبول کر لے اور سب کے سینے روشن کرے سب کو خطاؤں سے معاف عطا فرمائے، اپنی رحمت سے نوازے وہ الگ بات ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد عالی ہے کہ اللہ کریم نے کچھ ایسے فرشتے پیدا فرمائے ہیں جو صرف روئے زمین پر ذکر کی تلاش میں پھرتے رہتے ہیں کہ کہاں اللہ کا ذکر ہو رہا ہے پھر جہاں ذکر ہو رہا ہو وہاں جو کوئی پہنچتا ہے دوسروں کو آواز دیتا ہے آؤ بھئی! یہاں تمہارے کام کی بات ہو رہی ہے۔ اگر ذکر کرتے رہتے ہیں لوگ اور آتے رہتے ہیں شامل ہوتے رہتے ہیں تو فرشتے بھی جمع ہوتے رہتے ہیں پھر ایک حلقہ بن جاتا ہے۔ پیچھے جو آتے ہیں وہ ان سے ذرا اوپر کھڑے ہوتے ہیں۔ دیکھنا چاہتے ہیں، تو فرماتے ہیں لمبا ذکر ہو جائے تو بعض اوقات فرشتوں کے سر آسمانوں سے جا لگتے ہیں ذکر ختم ہوتا ہے دعا ہوتی ہے تو واپس پہنچتے ہیں اپنے مقام پر آسمانوں پر تو اللہ کریم پوچھتے ہیں بھئی! کہاں تھے تم؟ یا اللہ تیرے ذکر کی تلاش میں تھے۔ تو کیا دیکھا؟ تیرے بندوں کو تیرا ذکر کرتے ہوئے پایا۔ انہوں نے مجھے دیکھا ہے؟ جنت دیکھی ہے؟ یا اللہ تیرے، نبی ﷺ پہ، تیرے کلام پہ ایمان لائے ہیں۔ دوزخ دیکھی ہے کہ اس سے بچنے کی دعا کرتے ہیں؟ نہیں۔ یا اللہ! تیرے نبی علیہ الصلوۃ والسلام پہ ایمان لائے ہیں۔ تو اللہ کریم فرماتا ہے پھر گواہ رہو وہاں جتنے لوگ تھے میں نے انہیں بخش دیا۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا فرشتے عرض کرتے ہیں یا اللہ باقی لوگ تو ذکر میں تھے کچھ لوگ ایسے بھی تھے انہیں ان ذاکرین سے کچھ کام تھا وہ بات کرنے آئے آگے ذکر ہو رہا تھا وہ بھی ساتھ بیٹھ گئے اب ذکر ختم ہوگا تو بات کریں گے۔ ان کی مجبوری تھی، فرمایا هُمُ قَوْمٌ، لَا يَشْقَىٰ جَلِيسُهُمْ او کما قال رسول اللہ ﷺ (متفق علیہ) اللہ کریم فرماتے ہیں یہ ایسے لوگ ہیں ان کے پاس بیٹھنے والا بھی بدبخت نہیں رہتا، میں نے ان کو بھی بخش دیا جو دنیوی کام سے آئے تھے، ذاکرین کے پاس بیٹھے تھے میں نے ان کو بھی بخش دیا تو وہ کریم ہے دعا میں شامل ہونے والوں کو بھی نواز دے تو اس کی رحمت سے کیا بعید ہے۔ ساتھ آ کر وہ بھی بیٹھ گئے لیکن بخشا جانا ایک اور بات ہے اور قرب الٰہی کا مزہ پانا ایک اور بات ہے، یہ دو الگ الگ باتیں ہیں۔ جو آ کر رہتے ہیں دلوں کو مانجھتے ہیں جو لذت انہیں آتی ہے وہ لذت اور ہے، اور اللہ سب کو معاف فرمائے ہم تو کہتے ہیں اللہ سب کو معاف فرمائے ہم تو کہتے ہیں یا اللہ جس نے کلمہ پڑھا ہے وہ جیسا بھی ہے اس کو معاف فرما۔ ہمارے کہنے سے تو نہیں ہونا اس کی اپنی رحمت عام ہے وہ ہر ایک کے حال سے پوری طرح واقف ہے وہ اس کے خلوص سے آگاہ ہے اس کی

آرزوئیں جانتا ہے اس کا کردار اس کے سامنے ہے، مخلوق اس کی اپنی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ اللہ تو بخش دے بڑا کریم ہے۔اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (المائدہ:118) اگر تو عذاب دے تو بندے تیرے ہی ہیں کوئی کیا کہہ سکتا ہے۔تیری اپنی مخلوق ہے تو چاہے تو اسے باقی رکھے تو چاہے تو اسے فنا کر دے، تو چاہے تو خوب سنوار دے، تو چاہے تو بدشکل بنادے تیری اپنی مخلوق ہے۔ کسی کا اس میں کیا ہے۔تو قادر ہے۔

اس لحاظ سے دعا میں شمولیت بھی اچھی بات ہے لیکن اچھے اچھے کھانے دیکھنا سونگھنا الگ بات ہے، کھانا اور بات ہے، تو دعا والے حضرات بھی خوشبو تو لے ہی لیتے ہیں لیکن جو کھاتے ہیں وہ کیفیت اور ہے۔

تو یہ میں اس لیے عرض کر رہا ہوں کہ صرف دعا میں نہیں دعا میں بھی ضرور آئیں لیکن تربیت کے لیے وقت نکالیں۔ایک دن دو دن چار دن اور ہو سکے تو سارا چلا لگائیں۔ اجتماع کی صورت پھر بدل گئی ،حضرتؒ آخری دم تک سفر میں رہتے تھے، وہیل چیئر میں بیٹھ کر ہم نے انہیں جہازوں میں بٹھایا وہیل چیئر سے، گاڑیوں سے، جہازوں سے اتارا۔تبلیغی سفر، ذکر اذکار کی محفلیں صرف چھٹیں آپ سے تو مرض الموت میں اس بیماری میں جس میں آپ کا وصال ہوا ڈیڑھ دو ہفتے کی بیماری تھی ورنہ سفر میں رہے تو اس لیے اجتماع گرمیوں میں، پھر گرمیوں میں اسکولوں میں، اداروں میں اکثر لوگوں کو چھٹیاں بھی ہو جاتی ہیں، یہ جگہ بھی ٹھنڈی تھی حضرت گرمیاں یہاں گزارنا پسند فرماتے تھے تو ہر گرمیوں میں اجتماع ہوتا تھا ہوتا چلا آیا۔میں بھی الحمدللہ سفر میں رہا ملک میں اور بیرون ملک لیکن جب اجتماع کے دن مقرر ہو جاتے تھے تو پھر کوئی سفر نہیں ہوتا تھا۔یہیں موجود رہنا پڑتا تھا۔گزشتہ کئی سالوں سے مجھ سے سفر چھوٹ گیا ہے آٹھ دس سال ہو گئے ہیں یہیں بسر ہوتی ہے تو گزشتہ چند سالوں سے یہ اجازت دے دی ہے کہ جو دن ہوتے ہیں اجتماع کے یہ تو ہر سال ہوں گے، لیکن اجتماع سارا سال جاری رہے گا ،جس کو جب فرصت ہو جب جی چاہے دارالعرفان آجائے۔ایک دن دو دن ہیں دس ہیں پچاس دن ہیں جتنا وقت ہے یہاں رہیں تعلیم بھی ملے گی، تربیت بھی ملے گی انشاء اللہ العزیز اس کو وہی فائدے ہوں گے جو اجتماع میں ہوتے ہیں تو اب گزشتہ کئی سالوں سے سارا سال اجتماع ہے، یہ گنتی کے دن نہیں ہیں اور الحمدللہ پینتس چالیس بندے روز رہتے ہی ہیں۔سارا سال اجتماع چلتا رہتا ہے پینتس چالیس بندے جو رہتے ہیں جنہیں ہم شمار نہیں کرتے اجتماع میں لیکن ہم میں سے کوئی ہے کہ نہیں ہے اذکار باقاعدگی سے ملتے ہیں، تعلیمات باقاعدگی سے ہوتی ہیں اور نماز روزہ جو سارا ہے وہ ملتا ہے اور اصل بات جو فرق ہے اس اجتماع کا وہ یہ ہے کہ اس میں دل مانجھے جاتے ہیں آیات واحادیث واحکام اور حکایات۔قرآن میں حکایات بھی ہیں بندوں کی اصلاح کے لیے، نصیحت کے لیے انہوں نے یہ کیا، ان کا یہ نتیجہ نکلا، تو ایسا نہ کرنا تو ان سارے الفاظ کی جو کیفیات ہیں وہ دلوں میں اتاری جاتی ہیں۔ اصل چیز جو یہاں سے کسی نے لینی ہے۔یہاں کا ثواب دارالعرفان کا ثواب یہ ہے کہ وہ کیفیات دل میں اتر جائیں جب بندہ کہے لاالہ الا اللہ تو دل جھوم اٹھے اس سے کہ کوئی الہ نہیں ہے اللہ کے سوا، ایک یقین حاصل ہو، احکام ہوں یا امثال ہوں تو ان پر طبیعت اور مزاج بدلے اور وہ کیفیات دل میں اتریں، بندہ خلوص دل سے عمل کرے، نیکی کرے، ان کیفیات کا حامل ہو جو مقصود ہے۔ بندہ کسی کو دعا دیتا ہے تو اسے الفاظ سنانا تو مقصود نہیں ہوتا، اس کا مقصود ہوتا ہے یہ خوش ہو۔کاوش کرے اور اسے خوشی نہ ہو تو ساری کاوش بیکار گئی۔ آپ کسی سے ناراض ہو کر بددعا دیتے ہیں، بدکلامی کرتے ہیں تو مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ چڑے اسے تکلیف ہو یہ تڑپے اگر اس کو اس سے غصہ نہیں آتا تو پھر طعنہ دینے کا کیا فائدہ۔

کلام الٰہی کا مقصد یہ ہے کہ یہ ان کے دلوں میں اترے ان پہ کیفیات وارد ہوں اور یہ ایسے بنتے جائیں جیسے قرآن بنانا چاہتا ہے ،اس سانچے میں ڈھلتے جائیں جس میں نور نبوت انہیں ڈھالنا چاہتا ہے۔تو یہ اس ادارے کا اصل کام جو ہے یا جس پر یہ محنت کر رہا ہے وہ یہ ہے۔تو جب بھی وقت ملے جب بھی فرصت ہو جب جی چاہے، جس کا جی چاہے وہ تشریف لا سکتا ہے یہی محافل، یہی مجالس، یہی اذکار، یہی اوقات سارا سال اسے نصیب ہوتے رہیں گے توفیق اللہ کریم کے پاس ہے، آرزو بندے کے دل میں ہے وہ کریم ہے وہ عطا فرمائے، ہدایت فرمائے۔

اچھا اب دعا کر لیجئے آپ کو جانا ہے۔اچھا جائیے۔ہر کام اپنے انجام کو پہنچتا ہے انجام کو اردو میں کہتے ہی خاتمہ ہیں۔ خاتمہ نیک ہو اور پھر آنے کی توفیق ارزاں ہو۔الحمدللہ

واخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین

سورۃ مریم

مسائل السلوک من کلام ملک الملوک پر

الشیخ حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی کا بیان

ذکر خفی کا افضل ہونا:

قولہ تعالیٰ :اِذْ نَادٰی رَبَّہٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۔ مریم 3 :

ترجمہ :جبکہ انہوں نے اپنے پروردگار کو پوشیدہ طور پر پکارا۔

”اس میں ذکر خفی کا فی نفسہٖ افضل ہونا معلوم ہوتا ہے گو کسی عارض سے جہر کو ترجیح ہو جاوے۔“

یعنی فی نفسہٖ ذکر جہر سے ذکر خفی افضل ہے۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے خفیہ طور پر پوشیدہ طور پر اور خفی طور پر دعا فرمائی۔

الحاح فی الدعاء کی فضیلت:

قولہ تعالیٰ :قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ م-ریم 4 :

ترجمہ :عرض کیا اے میرے پروردگار میری ہڈیاں کمزور ہو گئیں۔

”اس میں الحاح فی الدعا کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔“

فرماتے ہیں اس میں یہ دلیل ہے کہ دعا میں اپنی کمزوری ظاہر کرے، الحاح وزاری کرنا چاہیے۔

اولاد کی دعا زہد کے منافی نہیں ہے، اسباب بعیدہ سے دعا کرنا خلاف ادب نہیں:

قولہ تعالیٰ:وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ -مریم 5:

ترجمہ :اور میں اپنے بعد رشتہ داروں سے اندیشہ رکھتا ہوں۔

”اس میں دو مسئلے ہیں ایک یہ کہ اولاد کا طلب کرنا زہد کے منافی نہیں دوسرے یہ کہ کسی ایسی چیز کا مانگنا جو اسباب بعیدہ سے سبب ہو ادب کے منافی نہیں۔“

یعنی براہ راست کوئی سبب نہیں ہے۔ رشتہ دار اچھے نہیں، نیک نہیں، ساری عمر کی محنت رائیگاں جانے کا اندیشہ ہے، اس واسطے مجھے نیک اور صالح اولاد عطا فرما دے۔ سبب بعیدہ دور کا ایک سبب ہے لیکن اللہ کارساز ہے فرمایا ”اللہ کولوں منگنے واسطے سبب بعیدہ وی ہووے تو کوئی حرج نئیں۔“

مادرزاد ولایت کی اصل:

قولہ تعالیٰ :وَاٰتَیْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِیًّا ۔ مریم 12:

ترجمہ :اور ہم نے ان کو لڑکپن ہی میں سمجھ عطا فرمائی تھی۔

”اس میں اس قول کی اصل ہے جو اکثر لوگوں کی زبان پر جاری ہوتا ہے کہ فلاں شخص مادرزاد ولی ہے۔“

بعض لوگ کہتے ہیں فلاں شخص مادرزاد ولی ہے۔تو فرمایا کہ تخلیقی، پیدائشی طور پر بھی بندہ نیک ہو سکتا ہے اس کا مزاج صالح ہو سکتا ہے، اللہ قادر ہے۔ جہاں تک ولایت کے مقامات یا مراقبات، ان چیزوں کا تعلق ہے یہ ساری چیزیں کسبی ہیں اور کسب پر عطا ہوتی ہیں اور ان کے لئے مجاہدہ شرط ہے، سیکھنا شرط ہے۔مقامات و مراقبات جو عطا ہوتے ہیں وہ وہبی ہوتے ہیں اللہ اپنی مرضی سے دیتا ہے لیکن اکتساب کرنا، کسب کرنا، محنت کرنا، مجاہدہ کرنا یہ شرط ہے۔تو آپ جب کسی کو کہتے ہیں کہ مادرزاد ولی ہے تو اس کا مطلب ہے یہ بچپن سے لڑکپن سے ہی نیک ہے۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس نے ولایت کے منازل طے کر لئے۔رہی انبیاء کی بات تو وہ دوسری ہے کہ نبیؑ تخلیقی طور پر نبیؑ ہوتا ہے۔اور پیدائشی طور پر اسے ولایت انبیاءؑ حاصل ہوتی

ہے۔ کوئی غیر نبی اس کی مثل نہیں ہوسکتا۔

تمثل:

قولہ تعالیٰ: فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا۔ مریم 17 :

ترجمہ : اور وہ ان کے سامنے ایک پورا آدمی بن کر ظاہر ہوا۔

''اس میں تمثیل کا مسئلہ مذکور ہے۔''

کثرت امثال تصوف کا ایک مسئلہ ہے۔ فرماتے ہیں جبرئیل امین کا آدمی کی مثل بن کر ظاہر ہونے سے ثابت ہوتا ہے کہ تمثل کا مسئلہ ثابت ہے اور اس میں لوگوں کو بڑا دھوکہ لگتا ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ جیسے سورج نکلتا ہے تو جہاں تک اس کی روشنی جاتی ہے ہر کوئی اپنی جگہ سورج کو دیکھ رہا ہوتا ہے لیکن سورج ایک ہی جگہ ہوتا ہے یہ نہیں ہوتا کہ سورج جگہ جگہ پر موجود ہے۔ سورج ایک ہی جگہ ہوتا ہے لیکن ہر جگہ دور نزدیک والا سمجھ رہا ہوتا ہے کہ میرے ہی سامنے ہے۔ تو اس طرح اہل اللہ کو بھی کثرت امثال نصیب ہوتی ہے۔ مثلاً مشاہدات والے ساتھی ذکر کر رہے ہیں، کوئی یہاں بیٹھا ہے کوئی امریکہ بیٹھا ہے کوئی عرب شریف میں ہے کوئی ہندوستان میں ہے کوئی برما چین جاپان میں ہے تو جو کوئی بھی ذکر کرتا ہے بعض اوقات مشاہدے میں شیخ کو دیکھتا ہے تو وہ انوارات و برکات جو ہیں ان میں تمثیل ہوتی ہے۔ اسے کثرت امثال کہتے ہیں بہت سی مثالیں ظاہر ہو جائیں لیکن اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ شیخ کو بھی پتہ ہو۔ یہ ضروری نہیں کہ سورج کو بھی پتا ہو کہ مجھے کون کون دیکھ رہا ہے۔ اس کی ذمہ داری نہیں ہے۔ جو بھی دیکھتا ہے کہتا ہے سورج میرے پاس ہے۔ اسے کہتے ہیں کثرت امثال۔ ایک وجود کا بہت سی مثالوں میں ظاہر ہونا۔

کسی داعی دینی کے سبب موت کی تمنا:

قولہ تعالیٰ: قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا۔ مریم 23:

ترجمہ : کہنے لگیں کاش میں اس سے پہلے ہی مرگئی ہوتی۔

''اس میں دلیل ہے اس پر کہ موت کی تمنا کسی باعث دینی سے جائز ہے کیونکہ مریم علیہا السلام نے موت کی تمنا ان لوگوں کی ملامت کے سبب اور اسی ملامت کی وجہ سے ان لوگوں کی معصیت میں واقع ہونے کے سبب سے کی۔''

حضرت مریم نے جو موت کی تمنا کی وہ یہ تھی کہ بدنامی ہوگی اور لوگ اس بات کو اچھالیں گے کہ اس کی شادی بھی نہیں ہوئی اور یہ بچہ کیسے پیدا ہوگیا، حاملہ کیسے ہوگئی؟ تو اس کے لئے موت کی تمنا کی، فرماتے ہیں کہ کہیں دینی باعث کہیں دینی فائدہ ہو تو اس کے لئے موت کی تمنا جائز ہے۔

فی الجملہ رزق کی سعی کا منافی توکل نہ ہونا:

قولہ تعالیٰ: وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ۔ مریم 25:

ترجمہ : اور اس کھجور کے تنا کو اپنی طرف ہلاؤ۔

''مریم علیہا السلام کو جو شاخ ہلانے کا حکم فرمایا اس میں اشارہ ہے کہ تحصیل رزق میں فی الجملہ سعی کرنا مطلوب ہے۔ اور توکل کے منافی نہیں۔''

حضرت مریم کو جب بچے کی پیدائش کا درد محسوس ہوا تو بہت گھبرائیں تو حکم ہوا کہ اس کھجور کے تنے کو ہلائیں تو کھجور کا تنا بڑا مضبوط ہوتا ہے اس حالت میں وہ کتنا کچھ ہلا سکتی تھیں پھر بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ کھجور کا تنا خشک تھا لیکن جب انہوں نے ارشاد باری کی تعمیل میں اسے ہلانے کی کوشش کی تو اس سے تازہ کھجوریں گریں، قدرت کا اپنا نظام ہے۔ یہ فرماتے ہیں کہ اس میں صرف اشارہ ہے یا یہ ثبوت ملتا ہے کہ صوفی خواہ کتنا بھی کامل ہو، حصول رزق کے لئے اسے محنت کرنی چاہیے، جائز وسائل اختیار کرنے چاہیں۔ سو حضرت مریم کاملِ ولیہ تھیں اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ اللہ کے نبی اور رسول علیہ السلام تھے، صاحب کتاب تھے لیکن انہیں بھی یونہی کھجوریں برسا نہیں دیں، دنیا عالم اسباب ہے۔ سبب اختیار کرنے کا حکم دیا کہ کھجور کا تنا ہلاؤ جو کہ خشک تھا اللہ نے اگر خشک تنے سے تازہ کھجوریں برسائی تھیں تو بغیر ہلائے برسا دیتے تو فرمایا دنیا عالم اسباب ہے اور جائز وسائل اختیار کرنا عین توکل ہے۔ توکل کے منافی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ہر شخص سے جدا معاملہ ہونا:

قولہ تعالیٰ :وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۔ مریم 41:

ترجمہ :اور اس کتاب میں مریم کا بھی ذکر کیجئے۔

''مجموعہ قصتین سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ سوال سے بھی دیتے ہیں جیسے زکریا علیہ السلام کو دیا اور بلا سوال بھی دیتے ہیں جیسے مریم علیہا السلام کو دیا اور اس سے یہ ماخوذ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہر شخص کے ساتھ جدا جدا ہے۔''

فرمایا، کہ حضرت زکریا نبیؑ تھے انہوں نے اولاد کے لئے دعا فرمائی اور انہیں بیٹا عطا فرمایا اور مریم علیہ السلام اگرچہ وہ ولیہ تھیں انہوں نے تو بیٹے کے لئے دعا نہیں کی اللہ کریم نے اپنی عطا سے عطا فرمایا تو فرماتے ہیں کہ اللہ کریم جیسا چاہے کریں مانگنے پر بھی عطا فرماتے ہیں بن مانگے بھی عطا فرما دیتے ہیں یہ شان اللہ کی ہے لیکن بندے کو ہر حال مانگنا چاہیے۔ بندے کی یہ شان نہیں ہے کہ اس پر رہے کہ دے تو دے دے نہ دے تو نہ دے یہ بندے کے لئے مناسب نہیں۔ بندے کے لئے مانگنا ضروری ہے باقی اس کی عطا محدود نہیں وہ جسے چاہے جو چاہے عطا کر دے۔

حسن ادب اور خوش خلقی:

قولہ تعالیٰ :اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ مریم 42:

ترجمہ :جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے کہا اے میرے باپ۔

''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے طریق دعوت میں حسن ادب وخلق اختیار کیا تا کہ مخاطب مکابرہ اور فساد پر آمادہ نہ ہو جاوے۔''

فرمایا طریق تبلیغ میں جیسے ان کے والد بت گر، بت پرست تھے لیکن انہوں نے ادب اور اخلاق کا دامن نہیں چھوڑا کہ اگر اس میں محبت اور ادب نہیں ہوگا تو آپ تبلیغ بھی کریں گے تو اگلا بجائے ماننے کے جھگڑے پر آمادہ ہو جائے گا۔ اور اخلاق سے خلق سے بات کی جائے گی تو اس کا بھی فائدہ ہونے کی توقع ہے۔

برائی کا مقابلہ بھلائی سے:

قولہ تعالیٰ :سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۔ مریم 47:

ترجمہ :ابراہیم علیہ السلام نے کہا میرا اسلام لو۔

''اس میں مقابلہ ہے برائی کا بھلائی سے۔''

یعنی باپ نے بات نہیں مانی اور کہا کہ میں آپ کو سنگسار کرا دوں گا یا میرے گھر سے نکل جائیں تو آپ نے گھر چھوڑتے وقت بھی کہا کہ میرا اسلام لیجئے۔ یعنی انہوں نے برائی کی تھی، انہوں نے برائی کا جواب بھلائی سے دیا اور فرمایا سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ؕ اور میں آپ کے لئے اپنے رب سے مغفرت کی درخواست کروں گا۔ فرمایا اس میں یہ مسئلہ ہے کہ کافر کے لئے ہدایت کی دعا کی جاسکتی ہے اگر کوئی کفر پر مر جائے تو پھر اس کی مغفرت کی دعا کرنا جائز نہیں ہے لیکن زندہ کافر کے لئے ہدایت کی درخواست کرنا جائز ہے اور جب کافر کے لئے جائز ہے تو گناہگار مسلمان کے لئے تو درجہ اولیٰ کرنی چاہیے کہ اللہ مسلمان بھائیوں کو توبہ کی توفیق دے اصلاح احوال کی توفیق دے اور نیک بنا دے۔

سلوک وجذب:

قولہ تعالیٰ :وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ؕ مریم 58:

ترجمہ :اور ان لوگوں میں سے جن کو ہم نے ہدایت فرمائی اور ان کو مقبول بنایا۔

''اس میں وصول الی اللہ کے دونوں طریق کا ذکر ہے۔ سلوک کا بھی جس کو ہدایت کہتے ہیں اور جذب کا بھی جس کو اجتبار کہتے ہیں۔''

یہاں سلوک کے دونوں پہلوؤں کا ذکر ہے کہ بعض لوگوں کو اللہ کریم مجاہدے کی توفیق عطا کرتے ہیں اور اس مجاہدے پر ثمرات مرتب ہوتے ہیں اور انہیں اعلیٰ منازل نصیب ہوتی ہیں وصول الی اللہ نصیب ہوتا ہے۔ بعض لوگوں پر اللہ کریم انعام فرماتے ہیں اور ان کا مجاہدہ تھوڑا ہوتا ہے ترقی درجات زیادہ ہو جاتی ہے جسے اجتبار کہتے ہیں۔ اللہ کا چن لینا لیکن یہ ساری نعمتیں وہبی ہیں۔ اللہ کی طرف سے ہیں وہ جس کو دینا چاہے اور جتنا دینا چاہے دیتا ہے۔ سلوک کے دو طریقے ہیں

کہ بندہ محنت کرتا رہتا ہے محنت کرتا رہتا ہے برسوں میں ایک مراقبہ کرتا ہے پھر برسوں میں دوسرا مراقبہ کرتا ہے پھر کئی برسوں میں تیسرا کرتا ہے۔ یہ بھی طریقہ درست ہے اور بعض لوگوں کا مجاہدہ تھوڑا ہوتا ہے مقامات انہیں زیادہ ہوجاتے ہیں یہ اللہ کا اپنا کام ہے کہ وہ کسی کو اس طریقے سے دے دے کسی کو کسی طریقے سے دے دے۔

تلاوت کے وقت گریہ:

قولہ تعالیٰ :إِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ۔ مریم 58:

ترجمہ :جب ان کے سامنے قرآن کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں ہیں تو سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے گر جاتے تھے۔

''آیت سے استدلال ہوتا ہے تلاوت قرآن کے وقت رونا مستحب ہے۔''

قرآن پڑھتے ہوئے اگر رونا آئے تو بہت اچھی بات ہے اور نہ آئے تو ضروری نہیں۔ اب قرآن پڑھتے ہوئے رونا کس بات پر آئے گا؟ پہلے تو قرآن کو سمجھتا ہو۔ اگر ایک ایسی زبان جسے بندہ سمجھتا نہیں پڑھتا رہے تو ثواب تو ہوگا کیفیات بھی مرتب ہوں گی چونکہ قرآن کی تلاوت ضروری ہے اور تلاوت کے لئے سمجھنا شرط نہیں ہے عربی عبارت کو صحیح طور پر پڑھ سکتا ہو تو پڑھے۔ نہ سمجھے تو بھی ثواب ہوگا ،کیفیات بھی ہوں گی۔ سمجھتا ہو تو پھر شاید خشیت طاری ہوجائے اور رونا بھی آئے۔ اگر رونا آئے تو بہت اچھی بات ہے۔

مشاق مثل قبض وغیرہ کا لوازم طریق سے ہونا:

قولہ تعالیٰ : وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ۔ مریم 65:

ترجمہ :اور اس کی عبادت پر قائم رہ۔

''اس میں اشارہ ہے مجاہدات طریق کی طرف اور تعلیم ہے ان پر صبر و ثبات کی اور یہی حاصل ہے۔ رجعنا من الجهاد الا صغر الی الجهاد الا کبر کا اور ان مجاہدات میں قبض بھی آگیا اور اس پر بھی صبر چاہیے۔''

فرماتے ہیں یہ جو آیہ کریمہ ہے وا صطبر لعبا دہ ۔اس کی عبادت پہ قائم رہ۔ اس میں ایک تو یہ چیز ملتی ہے کہ مجاہدہ ضروری ہے اور مجاہدے میں کمی نہیں آنی چاہیے۔ مجاہدہ کرتا رہے۔ ذکر اذکار، حلال کھانا، برائی سے بچنا، بری مجلس سے بچنا، بری گفتگو سے بچنا یہ سارے مجاہدے کے پہلو ہیں اور یہ ضروری ہے اسے مسلسل کرتا رہے اور دوسرا یہ ہے کہ ادھر من جانب اللہ کوئی رکاوٹ آجائے یا قبض آجائے یا مشاہدات رک جائیں یا کوئی ایسی صورت جسے قبض کہا جاسکتا ہے وہ آجائے تو مجاہدے میں کمی نہ کرے اس پر ثبات ضروری ہے اور اس حدیث مبارک کا: رجعنا من الجهاد الا صغر الی الجهاد الا کبر سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ نفس کے ساتھ جہاد جہاد اکبر ہے۔

احوال کا اہل باطل میں بھی عام ہونا:

قولہ تعالیٰ :قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ۔ مریم 75:

ترجمہ : آپ فرما دیجئے جو لوگ گمراہی میں ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ڈھیل دیتا چلا جارہا ہے۔

''اس کے عموم میں اہل باطل کے احوال کا بقاء بھی داخل ہے پس اس حال پر مغرور نہ ہونا چاہیے۔''

ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بدکاروں کو جب وہ توبہ کی حد سے گزر جاتے ہیں تو ڈھیل دے دیتا ہے کہ جتنی برائی چاہتے ہو کرلو آخر انجام کو پہنچ جاؤ گے تو اس پر مغرور نہیں ہونا چاہیے یہ بہت خطرناک بات ہے اور کوئی ایسی صورت ہو تو بندے کو زیادہ ڈرنا چاہیے۔ علما کہتے ہیں گناہ کی مثال زہر کی ہوتی ہے، اگر کوئی زہر کھالے اور زہر کھانے سے اُسے قے شروع ہوجائے پیچش لگ جائے تکلیف تو ہوتی ہے لیکن وہ مرنے سے بچ جاتا ہے اور اگر زہر کھالے اور ہضم ہوجائے تو وہ موت کی دلیل بن جاتا ہے۔ اسی طرح گناہ پر اگر سرزنش ہوجائے تو وہ توبہ کا سبب بن جاتی ہے لیکن گناہ کرتا رہے اور ڈھیل بھی مل جائے تو یہ تباہی کی طرف لے جاتی ہے اس سے ڈرنا چاہیے۔

ترقی کی کوئی حد نہ ہونا:

قولہ تعالیٰ :وَيَزِيدُ اللّٰهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى۔ مریم 76:

ترجمہ :اور اللہ تعالیٰ ہدایت والوں کی ہدایت بڑھاتا ہے۔
''اس میں کوئی حد مقرر نہ ہونے سے مفہوم ہوا کہ ترقی کی کوئی حد نہیں۔''

یعنی سلوک الی اللہ میں اور وصول الی اللہ میں کوئی حد نہیں آتی کہ آپ یہاں پہنچ گئے تو اب آگے اللہ کریم بیٹھے ہیں اور آپ پہنچ گئے ہیں اور یہ فاصلہ ختم ہو گیا ہے ایسی کوئی بات نہیں اور یہ جو اکثر کہہ دیتے ہیں فلاں حضرت نے فلاں جگہ سے سلوک مکمل فرما دیا تو ان بے چاروں کو خود خبر نہیں ہوتی ہے کہ سلوک جو ہے یہ مسلسل سفر کا نام ہے جو بارگاہ الٰہی اور وصول الی اللہ کی طرف جاری رہتا ہے اور اس کی کوئی حد نہیں۔ فرماتے ہیں قرآن نے تو کوئی حد مقرر نہیں کی وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ؕ اللہ جن کو ہدایت دیتا ہے ان کی ہدایت کو بڑھاتا چلا جاتا ہے فرمایا، اللہ نے تو اس میں کوئی حد نہیں رکھی اس لئے اس میں ترقی کی کوئی حد نہیں ہے۔

مقبولیت فی القلوب کا علامات ولایت سے ہونا:

قولہ تعالیٰ : اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا. مریم 96:

ترجمہ : بلا شبہ جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے اللہ تعالیٰ ان کے لئے محبت پیدا کر دے گا۔

مودۃ قلوب میں بسبب ان کے ایمان کے لا یما نہم اور یہ جعل دنیا ہی میں ہے۔ بدلیل حدیث فیو ضع لہ القبول فی الارض یہ علامت ولایت و دلائل اہلیت مشیخت سے ہے اور مراد ان قلوب سے وہ قلوب ہیں جن میں حق تعالیٰ کی محبت ہو۔ پس یہ اشکال نہ رہا کہ بہت مومنین وصلحاء بعض لوگوں کے قلوب میں مبغوض ہوتے ہیں کیونکہ ایسے لوگ بد باطن ہوتے ہیں اور اسی سے معلوم ہوا کہ صلحاء کا بغض علامت ہے خبث باطن کی (اور اقرب یہ ہے کہ مراد وہ قلوب ہوں جن کا نہ کوئی نفع ان صلحاء سے وابستہ ہے نہ کوئی ضرر۔''

فرمایا اللہ کا ارشاد ہے۔ بلا شبہ جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے اللہ ان کے لئے محبت پیدا کر دے گا۔ یعنی وہ لوگ جو مخلص ہوتے ہیں، ولی اللہ ہوتے ہیں لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت پیدا فرما دیتا ہے اور لوگ ان کو عزت اور پیار اور محبت کی نگاہ سے دیکھنے لگتے ہیں۔ یہ نظام قدرت ہے اور یہ ان کی اہلیت دلائل مشیخت میں سے ہے۔ شیخ بننے کے اہل ہیں یا ولی اللہ ہیں۔ لیکن فرماتے ہیں عجیب بات یہ ہے کہ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو ان سے عداوت رکھتے ہیں ان کو اچھا نہیں سمجھتے انہیں بھلا برا کہتے ہیں۔ تو فرماتے ہیں حق تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ دلوں میں ان کے لئے محبت پیدا کر دی۔ مراد یہ ہے کہ جن دلوں میں اللہ سے محبت ہو گی انہی دلوں میں اللہ کی محبت بھی آئے گی۔ تو جو دل اللہ کی محبت سے خالی ہوں گے وہ ولی اللہ سے کیا خاک محبت کریں گے؟ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جو ولی اللہ سے عار رکھتا ہے یا ان کی قدر نہیں کرتا تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص فی نفسہ بد باطن ہے یہ خبث باطن کی دلیل ہے۔ یہ نہیں کہ ولی اللہ میں کوئی نقص ہے بلکہ اس کا اپنا باطن خراب ہے اس لئے اس کے دل میں محبت نہیں آ رہی تو اللہ کریم دلوں میں محبت ڈال دیتے ہیں اور جن دلوں میں خود اللہ سے دشمنی ہو تو ولی اللہ کی محبت کہاں سے آئے گی تو فرماتے ہیں جو ولی سے عداوت رکھتا ہے اس کے اپنے بد باطن ہونے کی دلیل ہے۔ اس کے خبث باطن کی ہی دلیل ہے۔ وہ ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ کوئی شخص کسی ولی اللہ کی زیارت کو گیا اور بڑا بے لطف ہو کر لوٹا تو اس کے جس ساتھی نے اسے نیک محفل میں جانے کا مشورہ دیا اس نے پوچھا گئے تھے، ملاقات ہوئی؟ کہنے لگا نہیں میں کمرے میں داخل ہوا لیکن ملے بغیر لوٹ آیا۔ اس نے کہا ایسا تم نے کیوں کیا؟ اس نے کہا ایک جائے نماز بچھا ہوا تھا کمرے میں اور اس پر ایک کتا بیٹھا ہوا تھا میں کتے سے کیا ملتا؟ تو وہ حیران ہوا اور کہنے لگا واقعی ولی اللہ جو ہوتے ہیں یہ آئینہ ہوتے ہیں یعنی وہ آئینہ تھا جس میں تمہیں اپنی شکل نظر آئی۔ جو جس نیت سے جاتا ہے ویسا ہی اللہ اس سے سلوک فرماتا ہے۔ وہ گیا ہی برائی کی نیت سے اور تنقیدی نیت سے تھا تو فرمایا یہ لوگ آئینہ ہوتے ہیں تمہیں اپنی شکل نظر آئی اور تم لوٹ آئے۔

اکرم التفاسیر

سورہ: الحج: آیات 58-69

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا

اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں اپنا وطن چھوڑا پھر وہ (کفر کے مقابل) قتل کیے گئے یا مر گئے

لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ (٥٨)

تو ان کو اللہ ضرور بہترین روزی دیں گے اور بے شک اللہ سب سے بہتر رزق دینے والے ہیں۔

لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ (٥٩)

وہ (اللہ) ان کو ضرور ایسی جگہ داخل فرمائیں گے جس کو یہ (بہت ہی) پسند کریں گے اور بے شک اللہ جاننے والے نہایت بردبار ہیں۔

ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ

یہ بات ہو چکی اور جو شخص (دشمن کو) اتنی ہی ایذا دے جتنی اس کو دی گئی پھر اس پر زیادتی کی جائے۔

لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ (٦٠)

تو اللہ اس کی ضرور مدد فرمائیں گے، بے شک اللہ بڑے معاف کرنے والے بخشنے والے ہیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ

یہ اس لیے کہ اللہ رات (کے اوقات) کو دن میں داخل فرما دیتے ہیں اور دن کو رات میں

النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ (٦١)

داخل فرماتے ہیں۔ اور یہ کہ اللہ خوب سننے والے، دیکھنے والے ہیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ

یہ (نصرت) اس لیے کہ اللہ ہی برحق ہے اور یہ کہ جس چیز کو یہ (کافر) اس (اللہ) کے سوا پکارتے ہیں

هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ (٦٢)

وہ باطل ہے اور یہ کہ اللہ ہی عالی شان (اور) سب سے بڑے ہیں

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً ۡ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ۭ

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا پھر (جس سے) زمین سرسبز ہو گئی

اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ (٦٣) لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

بے شک اللہ باریک بین خبر رکھنے والے ہیں۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔

وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ (٦٤) اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ

اور بے شک اللہ ہی بے نیاز، قابل ستائش ہیں۔ (اے مخاطب!) کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ نے زمین کی تمام چیزوں کو تمہارے

وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۭ وَيُمْسِكُ السَّمَاۗءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى

کام میں لگا رکھا ہے اور جہاز بھی سمندر میں اسی کے حکم سے چلتے ہیں اور اسی نے آسمان کو تھام رکھا ہے کہ زمین پر (نہ) گر پڑے

الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (٦٥)

ہاں مگر اسی کا حکم ہو جائے (تو الگ بات ہے) بے شک اللہ لوگوں پر بڑی شفقت فرمانے والے مہربان ہیں۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ۡ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ (٦٦)

اور وہی تو ہے جس نے تم کو حیات بخشی پھر تم کو موت دیتا ہے پھر تم کو زندہ فرمائے گا واقعی انسان بڑا ناشکرا ہے۔

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ

ہم نے ہر امت کیلئے ایک طریقہ مقرر فرمایا ہے جس پر وہ چلتے ہیں سو ان لوگوں کو چاہیے کہ آپ سے اس امر میں جھگڑا نہ کریں۔

اِلٰى رَبِّكَ ۭ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ (٦٧)

اور آپ اپنے پروردگار کی طرف بلاتے رہیے بے شک آپ سیدھے راستے پر ہیں۔

وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (٦٨)

اگر یہ لوگ (کافر) آپ سے جھگڑا کریں تو فرما دیجئے جو کام تم کرتے ہو اللہ ان سے خوب واقف ہیں۔

اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ (٦٩)

جن باتوں میں تم اختلاف کرتے ہو اللہ قیامت کے دن تمہارے درمیان ان میں فیصلہ فرما دیں گے۔

اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں اپنا وطن چھوڑا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ انسان دنیا میں رہتا ہے تو دنیوی ضرورتوں کے ساتھ رہتا ہے۔ ان کی تکمیل کیلئے اسے دنیا کا مال واسباب بھی چاہیے لیکن انسان دنیا میں جانوروں کی طرح نہیں ہے۔ اللہ کی بہترین

مخلوق ہے۔ اشرف المخلوقات ہے۔ اس کے جینے کے، رہنے سہنے کے، کمانے کھانے کے کچھ اصول اور کچھ ضابطے ہیں وہ عام دوسری مخلوق کی طرح نہیں ہے کہ جہاں مل گیا کھالیا جہاں پڑ گئے سو گئے۔ انہی ضابطوں کا نام دین ہے۔ مالک کائنات نے، انسان کے خالق نے، جس نے اسے تخلیق فرمایا اور انسانی عظمت دی اس نے اس کے لیے ضابطے بھی مقرر فرمائے اور لطف کی بات یہ ہے کہ یہ ضابطے روزمرہ کی ضروریات سے الگ نہیں ہیں۔ انہی میں معیار مقرر کر دیا گیا کہ دولت جائز وسائل سے کمائے، چوری نہ کرے، چھینے نہیں، دھوکہ نہ دے، جتنی حیثیت ہو اس کے مطابق رہے۔ اچھا لباس پہنے، اچھا کھانا کھائے، اچھا گھر بنائے لیکن اپنے جائز وسائل سے۔ شادی کرے، گھر بسائے، بچے پالے، انہیں پڑھائے لکھائے۔ یہ ساری چیزیں ایک معیار اور ایک ضابطے میں ڈھال کر اسے دی گئی ہیں لیکن یہ سارا وہ کیوں کرے گا؟ اس کی ایک بنیاد ہے۔ اسے اپنے مالک کی معرفت کی استعداد بھی دی گئی ہے۔ وہ اپنے خالق اور مالک کو اپنی حیثیت کے مطابق پہچانے اور اس کی عظمت کے مطابق اس کی اطاعت کرے۔ عقیدہ بنیاد ہے اعمال کی، کردار کی۔ جب عقیدے میں کمزوری آتی ہے، یقین میں کمزوری آتی ہے، تو وہ اعمال کو متاثر کرتی ہے اور اعمال خراب ہونے لگتے ہیں، ضابطے چھوٹنے لگتے ہیں۔ اصل بنیادی چیز عقیدہ ہے۔ عقیدے کے بعد درجہ عبادات کا ہے۔ عبادات کا حاصل یہ ہے کہ ہر بار اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنے یقین کو مزید تازہ کرے، اسے مزید تازگی بخشے، اس کا ایمان مزید مضبوط ہو، ایمان میں کمزوری نہ آئے۔ جب ایمان مضبوط ہوتا ہے اور دنیا میں ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ وہ دین پر، دینی عقائد پر، نظریات پر، دین کے احکام پر اس معاشرے میں عمل کرنا مشکل ہو جاتا ہے تو پھر ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ جس کا یقین محکم اور ایمان مضبوط ہوتا ہے وہ معاشرہ چھوڑ دیتے ہیں اپنا کردار تبدیل نہیں کرتے۔ اسی کو اللہ کریم نے ہجرت فرمایا ہے وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللهِ (58)

فرمایا کیسے عجیب لوگ تھے کہ جب اللہ کے دیئے ہوئے ضابطوں اور اصولوں کے مطابق اس معاشرے میں زندگی دشوار ہو گئی تو انہوں نے اصول نہیں چھوڑے معاشرہ چھوڑ دیا، شہر چھوڑ دیا، اپنے گھر چھوڑ دیئے، جائیدادیں چھوڑ دیں، مال ومنال چھوڑ دیئے، رشتہ دار چھوڑ دیئے، دوست احباب چھوڑ دیئے لیکن اللہ کے بنائے ہوئے ضابطوں کو چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ یہ ان کے ایمان اور یقین کا کمال تھا۔ پھر یہ نہیں کہ وہ چھوڑ کر آرام کی زندگی بسر کرنے لگ گئے۔ کفر نے ان کا تعاقب کیا کفار نے ان پر حملے کئے، ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا، انہیں شہید کیا گیا اس کے باوجود کہ وہ معاشرے کو چھوڑ کر الگ دور جا بسے تھے کفار و مشرکین نے وہاں جا کر بھی ان کی جانیں لیں، انہیں قتل کیا گیا۔ کچھ ایسے تھے جن کا وقت اور کام پورا ہو گیا اور پردیس میں گھروں سے دور، جائیدادوں سے دور، رشتہ داروں سے دور، پردیس میں انہیں موت آ گئی۔ اب اگر یہی دنیا ہی مال ومنال ہو تو ان کے حصے میں کیا آیا؟ فرمایا اصل بات یہ دنیا نہیں ہے یہ دنیا جن کے حصے میں بے شمار آتی ہے اور کھربوں کے مالک ہو جاتے ہیں کیا ان کی ایک پائی بھی مرنے کے بعد ان کے پاس رہ جاتی ہے، وہ مکان اور بڑے بڑے محل جو وہ بناتے ہیں کیا ان میں رہ سکتے ہیں، وہ جائدادیں جاگیریں کیا ان کے ساتھ جاتی ہیں؟ دم نکلے تو سب کچھ ورثاء کا ہو جاتا ہے ان کی تو ملکیت بھی نہیں رہتی، دم نکلنے کے ساتھ ہی ساری جائداد ساری دولت دوسروں کی ہو جاتی ہے۔ اس دنیا میں کسی دکھ کا مداوا نہیں ہے بلکہ یہ سب سے بڑا دکھ دیتی ہے۔ جب موت قریب آتی ہے اور بندے کو موت کے آثار نظر آتے ہیں تو اسے دکھ ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ جا رہا ہے لیکن جو لوگ ایمان ویقین پر قائم رہے، اگر قربان کرنا پڑا تو انہوں نے دنیا کو قربان کیا، گھر بار چھوڑ دیئے، رشتے ناتے چھوڑ دیئے پھر بھی ان پر جنگیں مسلط کی گئیں۔ انہوں نے جہاد کیا، مقابلہ کیا، شہید ہوئے۔ کچھ لوگوں کو موت نے آلیا تو بظاہر دنیا کی نظر سے دیکھیں تو وہ خسارے میں رہے کہ ان کے پلے تو کچھ نہ رہا۔ فرمایا نہیں ایسی بات

نہیں ہے لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا اللہ انہیں بے پناہ اعلیٰ رزق عطا فرمائے گا۔ دنیا کے رزق کی کیا بات ہے ۔ دنیا کا رزق تو جو نصیب میں ہے کھاؤ تو اسی سے بیمار بھی ہو سکتے ہو۔ کھاؤ تو اسی سے بھی مر سکتے ہو۔ صحت مند بھی رہے تو اسی سے خون ہڈیاں بھی بنتی ہیں اور فضلے غلاظتیں بھی بنتی ہیں۔ آخرت میں اللہ انہیں وہ رزق دے گا جس میں حسن ہی حسن ہے۔ جسے کھا کر کوئی بیماری نہیں ہوتی جسے کھا کر فضلہ نہیں بنتا جسے کھا کر خرابی نہیں ہوتی لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا اللہ انہیں بہترین رزق عطا فرمائے گا۔ اس کا مطلب ہے کہ موت زندگی کا خاتمہ نہیں ہے بلکہ اس زندگی کا خاتمہ ایک نئی زندگی کی ابتداء ہے، اس فانی زندگی کا خاتمہ ایک دائمی حیات کی ابتداء ہے۔ یہ دنیا کا رزق اس فانی حیات کے لئے ہے ۔ اور وہاں کا رزق انہیں نصیب ہوگا جنہوں نے قربانیاں دیں آخرت کے لئے، حصول آخرت کے لئے۔ اور سبحان اللہ! قرآن کے مثالی مسلمان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کیا خوش نصیب لوگ تھے اعرب کے جس معاشرے کے وہ لوگ تھے وہ تو ایک ایک لقمے کے لیے لوگ قتل کر دیتے تھے ۔ دولت کے پجاری پیسہ پیسہ جمع کرتے تھے لیکن یہ کیسی عجیب بات ہے کہ جب انہوں نے نبی کریم ﷺ کا دامن رحمت تھاما تو ایسا مضبوط تھاما کہ پھر کائنات چھٹتی ہے تو چھٹ جائے، انہوں نے دامن نہیں چھوڑا۔ بڑی محنت سے جو جائیدادیں بنائی تھیں چھوڑ دیں، گھر چھوڑ دیئے، رشتے ناتے توڑ دیئے، دوست احباب چھوڑ دیئے، دامان رسالت ﷺ نہیں چھوڑا۔ وطن چھوڑنا پڑا چھوڑ دیا۔ وہاں بھی دشمن نے دفاعی جنگ پہ مجبور کیا تو شمشیر بکف مقابلے پہ آگئے، جانیں دیں، شہید ہوئے ، فرمایا، یہ نہ سمجھو کہ وہ اپنا گھر بار ہر چھوڑ کر دنیا سے چلے گئے، رُل گئے، ان کا نقصان ہوا، ہر گز نہیں۔ حقیقی زندگی تو آخرت ہی ہے اور حقیقی رزق بھی آخرت کا ہے اور وہاں انہیں اللہ کریم بہت خوبصورت رزق عطا فرمائیں گے۔ رِزْقًا حَسَنًا ایسی روزی جس میں ہر طرف خوبصورتی ہے، حسن ہے، بھلائی ہے، بہتری ہے ۔ اس میں کوئی کمزوری کوئی خرابی نہیں۔

وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ یقینا اللہ ہی بہترین رزق دینے والا ہے اور پھر یہ نہیں کہ اسی برزخ کے رزق پہ اکتفا ہے۔ قیامت کے قائم ہونے سے موت تک کا یہ درمیانی وقفہ جو ہے یہ برزخ میں ہے ۔ برزخ پردے کو کہتے ہیں۔ ایک پردہ ہے جو آخرت اور دنیا کے درمیان میں ہے اور روز اول سے لے کر آج تک جتنے لوگ دنیا سے گزرے ہیں وہ اسی برزخ میں مقیم ہیں۔ قیامت کو سب میدان حشر میں حاضر ہوں گے اور پھر فیصلہ ہوگا جنت یا جہنم کا۔ برزخ میں تو ان کے رزق کا انتظام کر دیا گیا۔ انہیں بہترین رزق عطا کر دیا گیا۔ اس پر بس نہیں ہے اس لیے کہ اللہ بہترین رزق دینے والا ہے۔ سب سے بہتر، سب سے اعلیٰ، بے مثل، بے مثال رزق دینے والے ہیں وہ انہیں لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ط وہ انہیں ایسے گھروں میں داخل کریں گے جن میں وہ خود بھی بہت خوش ہوں گے، بہت راضی ہوں گے، پچھلی ساری تھکان اتر جائے گی، گھر قربان کرنے کا صلہ مل جائے گا۔ دنیا کے عارضی فانی گھر قربان کیے تھے وہاں اللہ کی دائمی جنت میں دائمی اور ابدی اور بہترین گھر مل جائیں گے لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ط ان کو ایسی جگہ میں داخل فرمائیں گے جسے وہ بہت ہی زیادہ پسند فرمائیں گے، خوش ہوں گے۔

وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ اللہ کریم ہر چیز کو ہر وقت جانتے ہیں لیکن وہ بہت حلیم ہیں، بہت بردبار ہیں، درگزر فرماتے رہتے ہیں، چھوٹی چھوٹی خبروں پہ گرفت نہیں فرماتے اور انسان توبہ کرے تو اس کی خطائیں معاف فرما دیتے ہیں۔ آج بھی اگر ہم مخلوق کا کردار دیکھیں ہمارا اپنا بحیثیت مسلمان جو کردار ہے وہ عجیب وغریب ہے جنہیں دین نصیب ہی نہیں ہوا جو کافر ہیں ان کا کیا ہوگا؟ لیکن اللہ کریم کا حلم ہے سب کو برداشت کر رہا ہے، روزی دے رہا ہے، فرصت دے رکھی ہے، روئے زمین پر ہر فرد کے کان میں دین کی آواز پہنچا رہا ہے، جو قبول کرے اس کی بخشش فرما دیتا ہے،

اسے معاف فرما دیتا ہے۔ اللہ ہر بات کو، ہر شے کو، ہر چیز کو جانتا ہے لیکن اس کی شان حلیمی بھی اس کی اپنی ذات کی طرح بے مثال ہے، برداشت کرتا رہتا ہے اور درگزر فرماتا رہتا ہے۔ یہ باتیں طے ہو چکی ہیں۔ تم دیکھ رہے ہو جب سے دنیا بنی ہے تب سے اب تک انسانی تاریخ تمہارے سامنے ہے، اللہ کریم درگزر فرماتے رہتے ہیں۔ کوئی زبردستی ہاتھ چھڑا کر آگ میں گرنا چاہے تو اس کی اپنی مرضی۔ دین کے مطابق ایمان مضبوط رکھنا اور دین کے مطابق زندگی گذارنا آسان ہے، سچ بولنا آسان ہے، دیانت داری سے کام کرنا آسان ہے، اللہ کی بارگاہ میں عبادت، فرائض پورے کرنا آسان ہے۔ جتنے کام دوزخ میں جانے والے ہیں وہ مشکل ہیں۔ چوری، بدکاری، جھوٹ، دھوکہ، چھینا جھپٹی، یہ سارے مشکل کام ہیں۔ بتوں کی پوجا مشکل ترین کام ہے کہ انسان ایک بے جان پتھر کے آگے سجدے کرے یا انسان جانوروں کے آگے سجدے کرے یہ تو انسانیت کی بھی تذلیل ہے۔ جہنم کا راستہ بہت مشکل ہے۔ دوزخ میں لوگ بڑی مشقت کر کے جاتے ہیں، بڑی محنت کر کے، بڑا زور لگاتے ہیں اور جنت کا راستہ بڑا آسان ہے یہ باتیں طے ہو چکیں۔ انسان کو مکلف بنایا، اسے شعور دیا، اسے عقل دی، اسے خرد دی، اس کے سامنے نیکی اور بدی کھول کر رکھ دی اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا اسے توفیق عمل عطا کر دی۔ اس توفیق کو وہ نیکی پہ خرچ کرتا ہے یا برائی پہ کرتا ہے اس کا جواب دے گا۔ برائی اللہ کی ناراضگی کا سبب بن کر جہنم میں لے جائے گی۔ نیکی اللہ کی رضا کا سبب بن کر جنت میں لے جائے گی ذٰلِكَ ج یہ طے ہو چکا اب کسی کے لیے بدلا نہیں جائے گا کہ وہ برائی کر کے جنت میں چلا جائے یا نیکی کر کے جہنم میں چلا جائے۔ یہ نہیں ہوگا جو ہو گیا وہ طے ہو گیا۔

وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ پھر جنہوں نے زیادتی کی ہو انہیں سزا دی جا سکتی ہے جتنی انہوں نے زیادتی کی۔ کیا خوبصورت دین ہے! کیا خوبصورت نظریات ہیں! کفار و مشرکین نے اگر اللہ کے بندوں کے ساتھ زیادتی کی تو انہیں بھی حق ہے کہ جتنی زیادتی انہوں نے کی اتنی کر سکتے ہیں اس سے زیادہ نہیں اور صحابہ کرام نے تو اتنی بھی نہیں کی، انہیں گھروں سے نہیں نکالا مکہ فتح ہو گیا لیکن کسی کو گھروں سے نہیں نکالا انہوں نے اتنی زیادتی بھی درگزر کر دی۔ مکے سے اٹھ کر انہوں نے بدر میں لوگوں کو شہید کیا، احد میں ستر صحابہ کو شہید کیا، حملے کرتے رہے، جنگ پہ مجبور کیا۔ فتح مکہ پر کسی کو جنگ پہ مجبور نہیں کیا گیا، کسی کو بدلے میں قتل نہیں کیا گیا، کسی کو گھروں سے نکالا نہیں گیا حالانکہ یہ انہیں حق تھا انہیں انہوں نے گھروں سے نکالا تھا وہ نکال سکتے تھے یہ بھی حق تھا لیکن نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرآن کریم میں بیان کیے گئے حضرت یوسف علیہ السلام کے قول کو دہرایا: قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ط آج تم سے کوئی پرسش نہیں، فرمایا آج تم پر کوئی سرزنش نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو، جاؤ تمہیں آزاد کیا، معاف کر دیا۔

ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ اگر ان پر انہوں نے پھر زیادتی کی۔ یہ فرق ہے جنگ اور جہاد میں جو یہاں واضح کر دیا گیا۔ جہاد ہوتا ہے اپنی ذات اور اپنے حقوق اور اپنے نظریات کے تحفظ کیلئے، ان کے دفاع کیلئے، کوئی آپ کے حقوق میں مداخلت کرتا ہے، آپ کے نظریات میں مداخلت کرتا ہے تو اس کے دفاع کے لیے۔ جنگ ہوتی ہے دشمن کو کمزور کرنے، مٹانے، معاشی طور پر، اخلاقی طور پر اسے تباہ کرنے کیلئے، اسے کمزور کر دیا جائے وہ سر نہ اٹھا سکے۔ فرمایا: اسلام میں جنگ نہیں ہے جہاد ہے۔ جتنی کسی نے زیادتی کی ہے اتنی سزا اسے دی جائے اس سے زیادہ نہیں اب خطرہ یہ ہے کہ دنیاوی دشمنی میں جنگ میں دشمن کو تباہ کیوں کرتی ہے کہ یہ پھر سر اٹھائے گا پھر بغاوت کر دے گا فرمایا ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ اگر یہ پھر بغاوت کر دیں گے اللہ مومنوں کی مدد کے لیے موجود ہے جس نے پہلے مدد کی وہ پھر بھی مدد کرے گا۔ یعنی جہاد دشمن کو بھی تباہ نہیں کرتا اس کے حقوق نہیں چھینتا، اس کا مال نہیں لوٹتا۔ اس کی عزتیں نہیں لوٹتا بلکہ اسے سدھرنے کا سنبھلنے کا موقع دیتا ہے جبکہ جنگ دشمن کو تباہ کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ یہ فرق ہے جہاد میں اور جنگ میں، اور خطرہ یہ ہوتا ہے

کہ اگر دشمن کو تباہ نہ کیا گیا کمزور نہ کیا گیا تو پھر بغاوت کردے گا پھر ہم پر حملہ کردے گا۔فرمایا ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ گر بغض یا برائی کی طاقت پھر بغاوت کرے گی، پھر حملہ آور ہو گی تو لَيَنْصُرَنَّهُ اللهُ اللہ پھر مومنوں کی مدد کرے گا جس نے پہلے فتح دی پھر فتح دے گا۔اِنَّ اللهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ (60) یقینا اللہ بہت بڑے معاف کرنے والے ہیں اور بخشنے والے ہیں۔وہ اتنا کریم ہے کہ جو شخص زندگی کفر اور شرک میں ضائع کر چکا ہے اگر وہ بھی خلوص سے توبہ کرے تو ساری زندگی کی لغزشیں معاف کر دیتا ہے۔تو جو برائی پہ جمے ہوئے ہیں، جو عقیدے کی خرابی پہ جمے ہوئے ہیں، جو کردار کی خرابی پہ جمے ہوئے ہیں وہ کیوں نہیں سوچتے؟ وہ کیوں اللہ سے معافی نہیں مانگتے؟ وہ کیوں حق اختیار نہیں کرتے؟ جبکہ اللہ کی بخشش ہمہ وقت موجود ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ دنیا کی طاقتیں یہ کہتی ہیں میں یہ کردوں گا میں وہ کردوں گا۔فرمایا، نظام کائنات کو دیکھو رات اور دن آجا رہے ہیں۔اب ایک وقت آتا ہے کہ دن کے اوقات کو کاٹ کر رات میں ملانا شروع ہو جاتا ہے۔رات بڑھنے لگتی ہے دن کم ہونے لگتا ہے پھر وقت آتا ہے کہ دن بڑھنے لگتا ہے رات کم ہونے لگتی ہے بِاَنَّ اللهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ یقیناً وہ اللہ ہے جس نے یہ کائنات بنائی جو اس نظام کا خالق اور مالک ہے اس نے ایسا بنا دیا ہے کہ رات بڑھنے لگتی ہے اور دن رات میں شامل ہونے لگ جاتا ہے۔پھر دن بڑھنے لگتا ہے اور رات کم ہونے لگ جاتی ہے۔کوئی اس کے نظام میں مداخلت کر سکتا ہے آج تک کوئی اس کو روک سکا یا کوئی اس کو تبدیل کر سکا یا کوئی اس کے اوقات میں مداخلت کر سکا؟ یہ تو ایسی مثال ہر بندے کے سامنے ہے ورنہ اسی طرح قدرت باری کے نظام اٹل حقیقت ہیں مخلوق اس میں مداخلت نہیں کر سکتی خواہ کسی کے پاس کتنی طاقت آجائے، اختیارات آجائیں، حکومت آجائے، دولت آجائے۔جو نظام اس نے جیسے بنایا ہے ویسے چلتا ہے اور ویسے ہی چلتا رہے گا۔اسی ایک بات سے عظمت الٰہی کا اندازہ لگا لو! کیسی عجیب بات ہے۔ہمیں سمجھ ہی نہیں آتی اور دن کے اوقات رات میں شامل ہوتے جاتے ہیں حتیٰ کہ رات لمبی ہو جاتی ہے دن تھوڑا سا رہ جاتا ہے اور پھر رات کے اوقات کو دن میں شامل کرنا شروع کر دیتا ہے اور دن بڑا ہو جاتا ہے رات چھوٹی ہو جاتی ہے۔ہمیں تو گھڑیاں وقت بتاتی ہیں ہمیں کچھ سمجھ ہی نہیں آتی کہ دن گھٹ رہا ہے یا رات گھٹ رہی ہے۔فرمایا اس کے اس نظام میں کسی آلے، کسی سائنسی آلے نے، کسی سائنسدان نے، کسی کیمیا گر نے، کسی بادشاہ اور سلطان نے آج تک مداخلت کی ہے؟ کوئی اسے روک سکا یا بدل سکا؟ نہیں۔تو پھر کسی کام میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتا۔یہ اس بات کی دلیل ہے کہ احکام الٰہی اور نظام الٰہی میں شاہ ہو یا گدا مداخلت کوئی نہیں کر سکتا وہ اللہ کے بنائے ہوئے طریقے پر چلتی ہے۔جن سے تم امیدیں وابستہ کر لیتے ہو اور اللہ کا در چھوڑ دیتے ہو وہ اللہ کے نظام میں کچھ نہیں کر سکتے۔

اَنَّ اللهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ (61) اور یقیناً اللہ کریم ہر بات کو سنتے ہیں ہر آواز کو سنتے ہیں، ہر چیز کو ذاتی طور پر دیکھتے ہیں اور وہ سمیع بھی بصیر بھی ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ (62) اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نظام کائنات پر اس مالک کا حکم چلتا ہے اس کے بغیر کسی کا حکم نہیں چلتا اللہ حق ہے۔اللہ کو مانو، اللہ کو پکارو، اللہ کی عبادت کرو، اللہ سے مدد مانگو جو ضرورت ہے اس کی بارگاہ میں پیش کرو اللہ کو مانو جیسا اس کا نبی ﷺ منواتا ہے، جیسا ماننے کا حکم نبی ﷺ نے دیا ہے ویسا اللہ کریم کو مانو اس لیے کہ وہی حق ہے۔وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ (61) اور اللہ کو چھوڑ کر جن سے تم امیدیں وابستہ کرتے ہو هُوَ الْبَاطِلُ وہ سب باطل ہے۔اپنی امیدیں اس ذات بے ہمتا سے وابستہ کر لو۔خرابی کہاں پیدا ہوتی ہے ایمان میں کمی کیسے واقع ہوتی ہے؟ جب ہم عظمت الٰہی سے بھٹک کر غیر اللہ پہ امیدیں رکھ لیتے ہیں کہ وہ میری مدد کرے گا، مجھے دولت دے گا، مجھے

صحت دے گا، وہ میری مرادیں پوری کرے گا۔ فرمایا کوئی کچھ نہیں کر سکتا یہ سب اس کے اپنے کام ہیں۔ اور اللہ کے علاوہ جن سے امیدیں وابستہ کی جائیں یہ باطل ہے۔

انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام نے، تمام انبیاء نے توحید کی تائید کی۔ نبی کریم ﷺ نے خالص توحید کی تعریف کی ہے۔ اللہ کا تعارف بھی حضور ﷺ نے دیا۔ اس کی ذات اور صفات کے بارے میں حضور ﷺ نے آگاہ کیا ہے۔ اللہ کا کلام ہمیں نبی کریم ﷺ نے عطا کیا وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى اور یہ کہ جس نے نبی ﷺ کی بات مانی اس نے اللہ کی مانی۔ آپ ﷺ وحی کے بغیر کچھ ارشاد نہیں کرتے۔

اللہ کے نیک بندے وہ ہوتے ہیں جو اللہ کی طرف بلاتے ہیں۔ کوئی بندہ اپنی خدائی کا دعوے دار بن بیٹھے اور لوگوں کو اللہ اور اللہ کے رسول کا راستہ چھوڑ کر اپنی طرف بلانا شروع کردے وہ باطل ہے۔ لوگوں کو پہچاننا چاہیے کہ جو بندہ مجھے دعوت دے رہا ہے، عظمت الٰہی کی دے رہا ہے یا اللہ کا نام لے کر اپنی بڑائی کی دعوت دے رہا ہے کہ میری اطاعت کرو گے، تو وہ پاؤ گے میرے ساتھ رہو گے تو وہ مل جائے گا فرمایا هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ (62) یقیناً اللہ ہی سب سے بڑا ہے، عالی شان ہے اور کبیر ہے الْكَبِيْرُ سب سے بڑا جس جیسا کوئی دوسرا بڑا نہیں الْعَلِيُّ اکیلا سب سے اونچا، کوئی اس کی عظمت کا احاطہ نہیں کر سکتا کوئی اس عظمت کو نہیں پہنچ سکتا، کوئی اس کی عظمت تک رسائی نہیں کر سکتا۔ وہ سب سے اونچا، سب سے بڑا کوئی اس کی بڑائی کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً (63) تم سے مخاطب نہیں؟ تم دیکھتے نہیں ہو کون ہے جو ٹنوں پانی سینۂ سمندر سے اٹھا کر ہواؤں میں معلق کر دیتا ہے۔ اتنا پانی ہوا نے اٹھا رکھا ہوتا ہے کہ جب وہ برستا ہے سیلاب آجاتے ہیں، زمین سے سنبھالا نہیں جاتا، لیکن وہ ایسا قادر ہے اس نے ہوا پر لاد رکھا ہے پھر وہ ایسا قادر ہے فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً (63) زمین کے ہر ذرے میں سے ہریالی اگا دیتا ہے۔ کوئی گن نہیں سکتا کہ گھاس کے کتنے تنکے پیدا ہوئے، کتنے پھول اگے، کتنی رونق بنی اور مخملی فرش بچھ جاتے ہیں۔ جنگلوں میں، پہاڑوں میں، میدانوں میں، صحراؤں میں کون پیدا کرتا ہے۔ ہے کوئی دوسرا اس میں شریک انہیں؟ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ اللہ بڑا باریک بین ہے اور ہر چیز سے باخبر ہے۔ اس قدر باریک نظام کائنات اس نے جوڑا ہے آج کی خوردبین بڑی سے بڑی بنی ہوئی تھک گئی ہیں، ان حقائق تک نہیں پہنچتیں۔ اب ایک انسانی وجود میں، جیسے کہتے ہیں، دس کھرب سیل ہیں۔ انسانی وجود کا دس کھرب واں حصہ الگ کرو تو نظر نہیں آتا، خوردبین میں بھی نظر نہیں آتا، اس طرح وہ لطیف ہے۔ آپ کو جو بڑے بڑے پہاڑ نظر آتے ہیں، اس میں انتہائی چھوٹے چھوٹے ایٹم ہیں ان کو جوڑ کر بنایا ہے ہمیں گھاس کا جو ایک تنکا نظر آتا ہے اس کے اربوں، کھربوں حصے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے سیل جوڑ کر اس نے وہ تنکا بنایا۔ وہ بڑا لطیف باریک بین ہے۔ ایک ایک چیز کو اس نے نہایت باریک اور چھوٹے چھوٹے ذرات کو جوڑ کر اسے بنا دیا ہے۔ ہمیں گھاس کا ایک تنکا، فصل کا ایک تنکا، ایک سٹا نظر آتا ہے لیکن اس کے اجزاء دیکھو تو ان گنت ہیں۔ وہ خبیر بھی ہے، باریک بین بھی ہے، ہر چیز سے باخبر بھی ہے اس نے ایسا نظام بنایا ہے۔ اس کی قدرت کاملہ دیکھو ایک ایک ذرہ جڑ کر تنکا بنا اس میں سے الگ ذرے نکلے جن سے تنا بنا، الگ ذرے نکلے جن سے پتے بنے، الگ ذرے نکلے جن سے سٹا بنا اور انہیں الگ کیا گیا جن سے دانہ بنا یہ ساری تقسیم اسی تنکے کے اندر ہو رہی ہے یعنی وہ لطیف ہے باریک بین ہے۔ ہر چیز کو اس نے نہایت باریکی سے جوڑا ہے۔ ہے کوئی دوسرا جو اس طرح کر سکے۔ اس نے تو ساری زمین کو سرسبز کر دیا۔ بے شمار تنکے پیدا ہوئے۔ ہر تنکا گل بکف ہے ہر پھول کے اجزاء الگ ہیں، ہر رنگ مختلف ہے، خوشبو مختلف ہے تاثیر مختلف ہے یقیناً اللہ بہت باریک بین بہت باخبر ہے لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ سب کچھ اسی کا ہے۔ جو آسمانوں میں

ہے اور وہ بھی جوزمینوں میں ہے۔ انسان کس خود فریبی میں مبتلا ہوکر یہ کہتا ہے کہ یہ میرا ہے، وہ میرا ہے یہ ملک میرا ہے، یہ شہر میرا ہے، یہ گھر میرا ہے، یہ دولت میری ہے حالانکہ کچھ بھی اس کا نہیں۔ جب سانس نکلے گا تو سب چیزیں یہیں رہ جائیں گی پھر اسے قبر کے گڑھے میں اتار دیں گے کیا رہے گا اس کا؟ سب کچھ اللہ کا ہے۔ بالائے آسمان جو کچھ ہے وہ بھی اسی کا ہے زمین پر جو کچھ ہے وہ بھی اس کا ہے لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ سب کچھ اس کا ہے انسان تو چند دن یہاں آیا۔

یہ ساری نشانیاں بتلا کر اسے ہدایت کی طرف بلایا گیا، دعوت دی گئی کہ عظمت الٰہی کا اقرار کرو، اللہ کے دین کو قبول کرو، اللہ کی اطاعت کرو اللہ نے اپنے انبیاء اور رسل بھیجے تا کہ لوگوں کو اللہ کا پیغام پہنچائیں۔ اللہ نے یہ شرف بھی انسانیت کو بخشا کہ اپنا یہ پیغام پہنچانے والے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام انسانوں میں سے پیدا کیے۔ انسانیت کے لیے یہ انتہائی شرف ہے کہ اللہ کے نبی اور رسول آدم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ خود آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو یہ شرف بخشا۔ اللہ کی بات انبیاء سنتے ہیں اللہ کی وحی انبیاء اور رسل قبول کرتے ہیں جو ان پر نازل ہوتی ہے اور وہ اللہ کا پیغام عام انسانوں تک پہنچا دیتے ہیں۔ جس طرح اس نے سارے باقی نظام بنائے ہیں اسی طرح انسان کو یہ بھی شرف بخشا ہے کہ اس کی طرف اپنا پیغام بھیجا یہ قرآن کریم جو ہم پڑھ رہے ہیں یہ اللہ کا پیغام ہے ایک ایک بندے کی طرف ہے۔ یہ صرف علماء کے لیے مولویوں کے لیے نہیں ہے، یہ صرف پیروں کے لیے نہیں ہے، صرف بزرگوں کے لیے نہیں ہے، یہ صرف مسلمانوں کے لیے نہیں ہے، یہ کافروں کو بھی دعوت حق دیتا ہے۔ ہر ایک سے بات کرتا ہے۔ یہ انسانیت کے لیے ہے انسانوں سے بات کرتا ہے۔ کیا یہ کافروں سے باتیں نہیں کر رہا کہ کیوں بھولے ہوئے ہو؟ کیوں غلط راستے پر ہو؟ یہ دلائل کفار کو نہیں دے رہا کہ رات دن کا گھٹنا بڑھنا دیکھو۔ کوئی ہے اللہ کے ساتھ شریک؟ کسی بت کی مداخلت ہے؟ کسی بت سے کہو اس کو روک کے، بدل دے۔ ابراہیم علیہ السلام نے نمرود سے کہا تھا کہ میرا مالک وہ ہے جو سورج کو مشرق سے طلوع کرتا ہے اگر تو خدا ہونے کا دعویدار ہے تو نظام بدل دے، سورج کو مغرب سے طلوع کر دے فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ (البقرہ:258) کافر بوکھلا گیا کہ میں تو اس کو نہیں بدل سکتا۔ یہی بات یہاں ہے کہ وہ کتنا کریم ہے کہ جو اس کی ادنیٰ مخلوق ہو کر، ہر دم اس کے محتاج ہو کر، ہر لحظہ اس کے محتاج ہو کر پھر اس سے گستاخی اور سرکشی کر رہے ہیں تو ان کو پکڑتا نہیں۔ ان کیلئے اپنے نبی ﷺ کی معرفت اپنا پیغام بھیجتا ہے کہ رک جاؤ، باز آجاؤ، تمہاری کیا حیثیت ہے؟ تم کیا چاہتے ہو؟ تم کچھ نہیں کر سکتے۔ سو فرمایا لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جو کچھ ارض و سما میں ہے سب اُسی کا ہے۔ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ اللہ مستغنی ہے کسی کا محتاج نہیں اور وہ ہی قابل ستائش ہے، تعریف کا مستحق وہی ہے، اللہ کے علاوہ کوئی خود کو مستغنی نہیں کہہ سکتا، اپنی تخلیق اپنے وجود ایک ایک ذرے میں اللہ کا محتاج ہے۔ اللہ ایسا عظیم ہے کہ وہ کسی کا محتاج نہیں۔ یہ ساری کائنات اس اکیلے کی ملکیت ہے ارض و سما اور جو کچھ اس میں ہے وہ اس کا اپنا ہے لیکن اس کا بھی وہ محتاج نہیں ہے چاہے تو اسے تباہ کر دے اس کی عظمت کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ انہیں مٹا دے پھر بھی اس کی عظمت وہی ہے اسے قائم رکھے پھر بھی اس کی عظمت وہی ہے، اور وہ قابل ستائش ہے۔ انسان جب اللہ سے نا آشنا ہوتا ہے تو پھر اپنی تعریف پہ خوش ہوتا ہے پھر وہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کی تعریف کیا کریں، لوگ اسے بڑا کہا کریں، بہت رئیس اور امیر کہا کریں، بہت پارسا کہا کریں، بہت پہنچا ہوا کہا کریں کہ جی ان کے منہ سے جو نکل جاتا ہے وہ ہو جاتا ہے وہ فرماتا ہے کہ شان تو میری ہے یہ صرف میرا عاجز اور حقیر بندہ ہے میں اس کی زبان بند کر دوں تو یہ بول نہیں سکتا۔ اس کے کہنے سے کیا ہوگا؟ یہ تو میری دی ہوئی طاقت سے بولتا ہے میں چاہوں تو یہ بول ہی نہ سکے تو پھر کیا ہوگا؟ سو بڑائی، تعریف صرف اللہ کو سزاوار ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

شیخ المکرمؒ کی مجلس میں سوال اور اُن کے جواب

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

سوال : آج کل یہ وباء عام ہے تمباکو، بیڑی، پتہ، سگرٹ، پان وغیرہ، کچھ ساتھی اس میں مبتلا دیکھے گئے؟

جواب : فتاویٰ رشدیہ میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے بلکہ اس میں سوال یہ تھا کہ ایک آدمی حقہ پیتا ہے، اس نے روزہ رکھا تو افطار کا وقت آیا تو وہ حقے سے افطار کرنا چاہتا ہے؟ تو فرمایا، کوئی حرج نہیں جس طرح پانی سے کرتا ہے، کھجور سے کرتا ہے، کھانے سے کرتا ہے اس سے کرلے بلکہ وہاں یہ سوال بھی ہے کہ ایک آدمی معتکف ہے اب اعتکاف میں حقہ پینے کے لیے تو باہر آجا نہیں سکتا، یہ تو اعتکاف کا کوئی عذر نہیں ہے تو مسجد میں پی نہیں سکتا، باہر جا نہیں سکتا تو کیا کرے؟ تو وہاں فتاویٰ میں لکھا ہے کہ سگرٹ پینے کے لیے نہ جائے لیکن جب رفع حاجت کے لیے جاتا ہے تو آتے جاتے راستے میں پی لے تو کوئی حرج نہیں۔ تمباکو صحت کے لیے مضر ہے اس لیے نہیں پینا چاہیے۔ اس میں کوئی شرعی وبال نہیں ہے نہ وہ شرعاً حرام ہے۔ ہاں کوئی اس میں نشہ کرتا ہے یا اس میں چرس ڈال دیتا ہے تو حرام ہے وہ الگ مسئلہ ہے کوئی افیون یا کوئی نشہ آور چیز بیڑی، پتوں یا پان وغیرہ میں ڈال لیتا ہے تو وہ الگ مسئلہ ہے۔ مسئلہ نشہ کرنے یا نہ کرنے سے متعلق ہے وہ تمباکو سے متعلق نہیں ہے اور نشے سکر، مسکرات سارے حرام ہیں وہ چیز جو عقل کو مختل کردے، دماغ کو کسی حد تک ماؤف کردے جو چرس پینے سے بھی ہوتا ہے اور افیون کھانے سے بھی ہوتا ہے اور ہیروئین پینے سے بہت زیادہ ہوتا ہے اور شراب پینے سے بھی ہوتا ہے کوئی بھی نشہ پی لیں تو وہ حواس کو مختل کرتا ہے اور نشہ آور چیزیں حرام ہیں۔ کھجور سے ایک شربت بنایا جاتا ہے۔ میں بنگال میں ڈھاکہ میں تھا تو میں جنوبی علاقے میں گیا جو مکتی باہنی کا بہت گڑھ تھا جہاں وہ لڑتے رہے تو وہ بڑا دشوار گزار راستہ ہے چھوٹے چھوٹے ٹاکوسے ہیں پانی نالے اور پل ہیں اور تنگ جگہیں ہیں اور بے شمار درخت ہیں تو وہاں میں نے دیکھا کہ وہ کھجور کا رس نکالتے تھے۔ کتابوں میں پڑھا تھا دیکھا نہیں تھا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ وہ کھجور کو چھیلنے لگا کر ساتھ برتن باندھا ہوتا وہ رس اس میں آجاتا تو اس رس کا شربت سا بن جاتا اس کو نبیذ کہتے ہیں۔ وہ برتن اگر آپ نے رات کو باندھا صبح کھولا اس میں کچھ پانی ملایا شربت بن گیا تو تازہ نبیذ حلال ہے لیکن اگر وہ دن بھر پڑا رہا تو پھر اس میں جھاگ سی پیدا ہوجاتی ہے، رس جوش کھا جاتا ہے پھر پئیں تو نشہ پیدا کرتا ہے وہ حرام ہوجاتا ہے۔ یعنی ایک ہی چیز حلال بھی ہے اور حرام بھی ہے۔ نبی ﷺ نے بھی تازہ نبیذ استعمال فرمایا ہے اور جس پر دن گزر جائے اس سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ یہ مسکر ہوگیا اس میں نشے کی کیفیت پیدا ہوگئی یہ حرام ہے ایک ہی چیز اس میں نشے کی کیفیت نہیں تو وہ حلال ہے جب وہ ایک دن پرانا ہوگیا اور جوش کھا گیا اس میں نشے کی کیفیت آگئی تو حرام ہوگیا میں نے وہاں یہ بھی دیکھا کہ وہ اس رس سے گڑ بھی بناتے تھے اتنا رس جمع کرلیتے تھے کہ چوکور چاکیاں جس طرح صابن کی ہوتی ہیں اس طرح کی چاکیاں انہوں نے بنائی ہوئی تھیں اور وہ گڑ تھا کھجور کے رس کا اور بڑا مزیدار تھا اور وہ ڈھاکہ میں بھی ملتا تھا بنتا وہاں میں نے دیکھا وہ رس نکالتے انہیں دیکھا۔ تو اصل حرمت جو ہے وہ مسکرات پر ہے ان چیزوں پر ہے جو نشہ پیدا کرتے ہیں۔

تمباکو پینا اچھی عادت نہیں ہے، صحت کے لیے مضر ہے، فضول خرچی میں بھی آتا ہے لیکن شرعاً حرام نہیں ہے اور جو بندہ موج میلے کے لیے پیتا ہے وہ تو زیادتی کرتا ہے نہیں کرنا چاہیے۔

سوال : تصوف موجب قرب الٰہی ہے یا کیفیات ہیں؟

جواب : میرے بھائی کیفیات اعمال کا نتیجہ ہیں۔ اب کھانا کھانے سے بھوک مٹ جاتی ہے۔ اب کیا کہیں گے بھوک کا مٹ جانا مقصد ہے یا کھانا کھانا مقصد ہے۔ یہ ایک دوسرے کے نتیجے ہیں۔ اعمال کا نتیجہ ہیں کیفیات، ان کو الگ الگ نہیں پرکھا جاسکتا۔ نیکی کی کیفیات الگ ہیں، برائی کی الگ ہیں۔

سوال : ذکر ذاکر کو مذکور تک پہنچا دیتا ہے تشریح کر دیں؟

جواب : اب میں کیا تشریح کروں۔ اللہ جل شانہ کی ذات کا عقلاً کوئی ادراک نہیں کرسکتا۔ عقل مخلوق ہے جو چیز مخلوق کے دائرے کے اندر ہے وہ مخلوق ہوتی ہے۔ خالق دائرہ تخلیق کے اندر نہیں سما سکتا اسی لیے عقل اسے سمجھ نہیں سکتی۔ اس کا، قرب الٰہی کا، رضائے الٰہی کا ایک ہی طریقہ قرآن کریم نے بتایا ہے اور وہ ہے ذکر الٰہی، مذکور تک پہنچنے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اور اللہ ایک جگہ بیٹھ کر گپیں لگاتے ہیں۔ مذکور کا مطلب ہے۔ بندہ اللہ کی ذات میں فنا ہو کر مکمل اطاعت بن جاتا ہے، بندہ اللہ کی ذات میں فنا ہو کر سراپا اس کی اطاعت بن جاتا ہے۔

صقارہ ایجوکیشن سسٹم کا مرکزی ادارہ علوم جدیدہ اور دینیہ کا حسین امتزاج
SIQARAH
صقارہ سائنس کالج
بزرگان دین کی سرپرستی بچوں کی سیکورٹی کا اعلیٰ انتظام صاف ستھرا ماحول
داخلہ 2015 برائے جماعت چھٹی تا بارھویں
سپیشل آفر
یکم اپریل سے فسٹ ائیر کی کوچنگ کلاسسز کا مفت آغاز
پری میڈیکل پری انجینئرنگ کمپیوٹر سائنس اینڈ آرٹس گروپ
نمایاں خصوصیات
سیلکشن امیدوار کا تحریری امتحان، انٹرویو اور میڈیکل پاس کرنا لازم ہے
✔ جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کشادہ کیمپس ✔ فیس کم، معیار اعلیٰ، بھائیوں کیلئے فیس میں خصوصی رعایت اور میرٹ اسکالرشپ
✔ مستعد اور تجربہ کار اساتذہ ✔ نظم وضبط اور اسلامی شعائر کی پابندی
داخلہ جاری ہے
✔ کھیلوں کے وسیع وعریض میدان ✔ والدین کو sms کے ذریعے حاضری اور امتحانی نتائج کی فوری اطلاع
پرنسپل : ملک اختر حسین ایم فل کیمسٹری۔ بی ایڈ۔ ایم ایڈ
ہاسٹل کی سہولت موجود ہے
صقارہ سائنس کالج دار العرفان منارہ ڈاکخانہ نور پور ضلع چکوال
or more Info: www.Siqarahedu.com Mob: 0313-6919797 Ph: 0543-562222

سوال :انسان میں بہت کمیاں، کمزوریاں اور کوتاہیاں ہوتی ہیں۔ایک وہم سا ہوتا ہے کہ شیخ المکرم ناراض ہیں اگر خدانخواستہ ناراض ہیں تو مرید کے دونوں جہان برباد ہوگئے اگر یہ وہم ہے حالانکہ کہ وہ ذکر بھی دو وقت باقاعدہ کرتا ہے لیکن یقین پختہ ہے کہ شیخ المکرم مدظلہ بہت شفیق اور مہربان ہیں۔ وہم اور یقین کے متعلق آگاہ فرمائیں؟

جواب :یہ بڑا دلچسپ سوال ہے اور دلچسپ ہونے سے زیادہ ضروری ہے ۔ یہ جان رکھیے کہ جس بھی بندے کو اللہ یہ منصب عطا فرماتا ہے۔ جو شیخ کہلاتا ہے اسے بہت وسعت قلبی عطا فرماتا ہے۔ اور شیخ کے لیے سنت یہ ہے کہ اہل طائف نے نبی ﷺ پتھر برسائے تو اللہ کریم نے ملک الجبال کو، اس فرشتے کو جو پہاڑوں پر مقرر تھا۔حکم دیا کہ میرے نبی ﷺ کی خدمت میں جاؤ اور عرض کرو کہ انہوں نے آپ ﷺ پتھر پھینکے ہیں، آپ ﷺ دیں تو ہم ان پر پہاڑ اٹھا کر پھینک دیں تو آپ ﷺ نے فرشتے کو جواب دینے کے بجائے بارگاہ الوہیت میں دست مبارک اٹھا دیے اور فرمایا اَللّٰھُمَّ اِھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ او کما قال رسول اللہ ﷺ انہوں نے جو پتھر پھینکے ہیں وہ جہالت کی وجہ سے پھینکے ہیں کہ مجھے جانتے نہیں ہیں، تو انہیں تباہ نہ فرما، انہیں ہدایت دے دے ۔تو شیخ کے لیے یہ سنت ہوتی ہے کہ وہ ایک ایک بندے کے لیے درد رکھتا ہے، اس کی اصلاح کی تمنا رکھتا ہے، اس کی بہتری کی توقع رکھتا ہے ۔اس سب کے باوجود بھی شیخ انسان ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے کسی وقت آپ کی غلطی نہ بھی ہو تو وہ آپ سے ناراض ہو جائے اسے سمجھ نہ آئے، سمجھے آپ کی غلطی ہے اور وہ ناراض ہو جائے تو اس ناراضگی سے نقصان نہیں ہوتا۔نفع اور نقصان کا مدار طالب کے خلوص پر ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ شیخ کسی سے خفا بھی ہوتا ہے تو اصلاح کے لیے ہوتا ہے اور وہ لمحاتی اور وقتی بات ہوتی ہے دوسرے لمحے پوچھیں تو اسے شاید یاد بھی نہیں ہوتا کہ میں کسی سے خفا ہوا ہوں اور اسے نقصان نہیں ہوتا۔

ہاں یہ ایک بڑی عجیب بات ہے ہمیں اس کا تجربہ ہے۔ ہمارے سامنے یہ واقعات ہوئے اور ہم نے انہیں دیکھا اور اس کے شاہد ہیں کہ بعض لوگ شیخ کو خوش کرنے کے لیے بڑی خدمت کرتے ہیں، تحفے دیتے ہیں، چیزیں لے آتے ہیں ۔مقصود یہ ہوتا ہے کہ شیخ کے قریب ہو جائیں، معتبر ہو جائیں اور باقی لوگوں پر ان کی برتری قائم ہو جائے، مقصد اخذ فیض نہیں ہوتا، خلوص نہیں ہوتا۔ ہوسکتا ہے وقتی طور پر وہ اسے خوش بھی کرلیں لیکن انہیں فائدہ نہیں ہوتا بلکہ نقصان ہوتا ہے ۔انہیں ملتا کچھ نہیں۔

یہ نظام اللہ کریم کے دست قدرت میں ہے جہاں جس میں جتنا خلوص ہوتا ہے اللہ کریم اسے اتنی برکات عطا فرما دیتے ہیں۔ نسبت اویسیہ کا خصوصی کمال یہ ہے کہ جس طرح حضرت اویس قرنیؒ بارگاہ رسالت پناہی میں حاضر نہ ہوئے تو وہ صحابی نہیں ہیں، تابعی ہیں ۔خلفائے راشدین کا زمانہ انہوں نے پایا اور عمر فاروقؓ کے زمانے میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور پھر کوفہ منتقل ہوگئے اور پھر وہیں ان کا وصال ہوا۔ لوگوں نے پتا نہیں کہاں کہاں ان کے فرضی روضے مقبرے بنا رکھے ہیں لیکن برکات انہوں نے سیر ہو کر حاصل کیں ۔ نبی کریم ﷺ نے فاروق اعظمؓ کو فرمایا تھا کہ اویسؒ سے ملاقات ہو تو اسے میرا اسلام بھی پہنچانا اور کہنا میری امت کے لیے دعا کرے ۔ یہ بہت بڑا منصب ہے جو انہیں دوری میں بھی حاصل ہو گیا۔ اس نسبت کو اسی لیے نسبت اویسیہ کہتے ہیں۔

اب جب رات کا ذکر ہوتا ہے تو صرف آپ نہیں ہوتے بلکہ بین الاقوامی طور پر ہوتا ہے اور جاپان سے امریکہ تک، چین سے افریقہ تک، لوگ جن کو نصیب ہوتا ہے وہ اس میں شامل ہوتے ہیں۔ جہاں جس کا جتنا خلوص ہے وہاں اس کو اتنی برکات ملتی ہیں۔ تو بجائے اس کے کہ نظر شیخ پر رکھی جائے یہ نظر اپنے قلب پر رکھنی چاہیے۔ شیخ خوش بھی ہوگا تو اپنی مرضی سے کچھ نہیں دے سکے گا کیونکہ کچھ لینے اور کچھ دینے کی دو شرائط ہوتی ہیں، دینے والے میں اہلیت دینے کی ہو اور لینے والے میں اہلیت قبولیت کی اور لینے کی بھی

ہو، جیسے ایک کوئی پروگرام ٹی وی کے ایک چینل پر چل رہا ہے۔ اگر وہ چینل آپ کے ٹیلی ویژن پر آتا ہی نہیں تو پروگرام چلتا رہے آپ کو اس سے کیا؟ آپ کو تو کچھ نہیں ملے گا۔ اسی طرح اپنا چینل جو ہے اس کی فریکوینسی درست رکھنی چاہیے۔

یہ فکر نہ کریں، شیخ ناراض نہیں ہوتے کسی بات پہ ڈانٹ بھی دیں تو اصلاح کے لیے ہوتا ہے کبھی خفا بھی ہوں تو شیخ بھی انسان ہوتا ہے اسے غلطی بھی لگ سکتی ہے۔ ایک بندہ مخلص ہوتا ہے لیکن کسی وقت وہ اس پر خفا ہو جاتا ہے لیکن اللہ کریم دیکھ رہے ہیں انہیں غلطی نہیں لگتی، یہ فیض دینا شیخ کے بس میں نہیں ہے شیخ توجہ دے سکتا ہے یہ برکات دینا اللہ کے دست قدرت میں ہے تو جب آپ کی اپنی فریکوینسی درست ہوگی تو کوئی فرق نہیں پڑتا اور میں نہیں سمجھتا کہ کوئی بھی شیخ کسی وقت کسی سے اس طرح ناراض ہو۔ اگر کوئی جھڑک دیتا ہے یا کوئی ڈانٹ پڑ جاتی ہے تو اس کی وجہ اصلاح ہوتی ہے اور اصلاح بھی بندے کی خیر خواہی ہے۔ اصلاح دشمنی نہیں ہوتی۔ کسی غلط کام سے، کسی غلط خیال سے، کسی غلط وجہ سے روکا جائے تو یہ بھی دوستی ہے یہ دشمنی نہیں ہے یہ ناراضگی نہیں ہے یہ بھی محبت کا ایک انداز ہے تو یہ وہم نہ کیا جائے، ہاں اپنی نگرانی ہمہ وقت کرنی چاہیے۔ تو اس میں مشکلات آتی ہیں۔ دنیا دار ابتلاء ہے۔ ابلیس کے پاس مہلت ہے اور وہ مار بھی کھاتا رہے تو اپنے کام سے باز نہیں آتا وہ لگا ہی رہتا ہے کہ شاید کبھی کہیں کسی موقع پر، کسی جگہ پر اس کا وار چل جائے اسی لیے فرمایا کہ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (الحجر۔99) اس وقت تک اللہ کی عبادت کرتے رہو جب تک تمہیں یقین کامل حاصل ہو جائے یعنی موت آجائے، دنیا کی نگاہ بند ہو جائے، آخرت کی نگاہ کھل جائے یعنی ہر چیز سامنے آجائے۔ تو تب تک بلکہ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ قبر میں جب فرشتہ سوال وجواب کرتا ہے ہے تو یہ اس وقت بھی کوشش کرتا ہے کہ بندے کو بہکائے۔ یہ عجیب بات ہے کہ مکلف زندگی تو ختم ہوگئی، اب تو وہ دار تکلیف میں نہیں ہے تو برزخ میں اس کی کوشش کیا رنگ لائے گی؟ برزخ میں ان لوگوں کو بہکانے کی کوشش کرتا ہے جس کے ساتھ دنیا میں اس کا رشتہ ہوتا ہے، کوئی نہ کوئی تعلق ہوتا ہے، کوئی نہ کوئی گنجائش ان کے قلب میں اس کے لیے ہوتی ہے۔ جس کے دل میں ان کی گنجائش نہیں بلکہ دشمنی ہوتی ہے وہ ان میں داخل اندازی نہیں کر سکتا، اللہ ان کی حفاظت فرماتا ہے۔ اگر یہاں تک خطرہ ہے تو پھر زندگی میں کون بچ سکتا ہے جب تک اللہ اس کی حفاظت نہ فرمائے۔ تو اس اعتبار سے اپنے قلب کی حفاظت کرنی چاہیے اپنی فریکوینسی درست رکھنی چاہیے تو پھر کچھ نہیں بگڑتا۔ اللہ کریم جو چاہتے ہیں وہ عطا فرماتے ہیں۔

سوال: کیا موت کے وقت سالک کو آپ کی توجہ ملتی ہے؟

جواب: میں عرض کر چکا ہوں کہ یہ سالک پر موقوف ہے کہ اس نے اپنے قلب کو کتنا متوجہ کیا شیخ کی طرف کہ اس کی اور شیخ کی فریکوینسی کتنی ملی ہے؟ جتنی ملتی ہے اتنی توجہ اسے نصیب رہتی ہے اور ہمہ وقت رہتی ہے اگر وہ فریکوینسی ہمہ وقت ملتی ہے، توجہ ہمہ وقت رہتی ہے تو موت کے وقت بھی رہتی ہے، موت کے بعد بھی رہتی ہے، برزخ میں بھی رہتی ہے۔ مجھے یاد ہے ہم گجرات کے کسی علاقے میں جارہے تھے کسی کے پاس گاؤں میں جانا تھا۔ مجھے یاد نہیں گاؤں کا نام کیا تھا۔ مدت کی بات ہے ساٹھ (60) کی دہائی کی بات ہے۔ ہم کسی دیہات کو جارہے تھے اس وقت آج کل کی طرح سڑکیں بھی نہیں تھیں پھر جو دیہات میں جاتی تھیں وہ تو آٹھ فٹ کا راستہ سا بنا ہوا تھا وہ بھی ٹوٹا پھوٹا، خستہ سا تو ایک جگہ مٹی کے ٹیلے تھے اور اس جگہ ٹیلے پر ایک کچی قبر تھی وہاں جب پہنچے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ذرا گاڑی روکو۔ دو منٹ بعد فرمایا، چلو! تو ہم چل پڑے تو میں نے عرض کیا کہ کیا بات ہے؟ فرمانے لگے یہ جس کی قبر ہے اس نے ساری زندگی اس تلاش میں گزاری ہے کہ مجھے کوئی بندہ مجھے اللہ اللہ کرانے والا مل جائے اور میں بھی دل روشن کرلوں۔ زندگی بھر اسے یہ نعمت نہیں ملی۔ پتا نہیں کب کا فوت ہو چکا۔ آج قدرت ہمیں اوپر سے لے آئی تو اس کی بات مجھے اللہ نے سمجھا دی تو میں نے رک کر لطائف کرائے اور مراقبات تلاش بھی کرا دیے۔ طلب یہ چیز ہے۔ نہیں پتا وہ صدی پہلے مرا تھا

، پچاس (50) سال پہلے، بیس (20) سال پہلے فوت ہوا تھا تو قدرت نے اس کا ایسا انتظام کیا کہ اس کی جو طلب تھی اس کے مطابق انتظام کر دیا، وہیں سے جا کر گاڑی گزری، وہیں حضرتؒ کو سمجھا دیا، القاء کر دیا، حضرتؒ کے دل میں ڈال دیا انہوں نے گاڑی رکوائی، اسے توجہ دی، لطائف کرائے، مراقبات ثلاثہ کرا دیے۔ میں ساتھ تھا اس لیے اس واقعے کا عینی شاہد ہوں تو وہ جو خلوص دل میں ہوتا ہے اور وہ طلب ہوتی ہے وہ ضائع نہیں جاتی، اللہ کریم اسے کبھی ضائع نہیں جانے دیتے اور یہ برکات بعد الموت بھی ملتی رہتی ہیں اگر توجہ میں، طلب میں جان ہو، جرات ہو، خلوص ہو تو بعد از وصال بھی ملتی رہتی ہیں۔

اور دوسرا رخ یہ بھی دیکھا ہے کہ ایک شخص کو میں نے شیخ کے ساتھ دیکھا ہر وقت، ہمہ وقت ساتھ رہتا مجھ سے بلند منازل تھے اس کے۔ وہ میرے سامنے فوت ہوا اور میں نے اس کا جنازہ پڑھایا ۔ برزخ میں میں نے دیکھا کہ اس کے بہت اچھے حالات ہیں اور یہ تک دیکھا کہ قبر میں خیال کیا تو لگتا تھا بیٹھے ہیں آرام سے، بڑا خوبصورت لباس ہے کوئی آ کر اسے ایک جام دے گیا ہے اور اس جام میں اتنا نور ہے اور وہ اتنا شیریں ہے، اتنا خوبصورت ہے کہ نور نظر آتا ہے اور اس طرح لگتا ہے کہ نور اس طرح اٹھ رہا ہے جیسے دھواں لکیریں بناتا ہے اس طرح کی کیفیت بن رہی ہے اور مزے سے جام کا ایک ایک گھونٹ پی رہا ہے بات ہوتی ہے تو عالم بالا تک کی بات کرتا ہے۔ اچانک ایک دن دیکھا تو بوسیدہ سے لباس میں جھونپڑی میں بیٹھا تھا، پوچھا تمہیں کیا ہوا؟ کہنے لگا، عمر بھر شیخ کے ساتھ رہا شیخ کو خوش رکھا لیکن دل میں وہ خلوص نہیں تھا۔ دل میں یہ بات تھی کہ چلو ان کے ساتھ رہنے میں دنیا میں عزت بھی ہے، لوگ احترام بھی کرتے ہیں، فائدہ بھی ملتا ہے، لوگ تحفے بھی دیتے ہیں تو جتنا خلوص تھا چند دن موج رہی پھر کہا گیا اب تمہارا سرمایہ ختم ہو گیا ہر چیز واپس کر دو اور تمہارے لیے اتنی برکت کافی ہے کہ اللہ تمہیں عذاب نہیں دے گا لیکن رہو گے مفلس ہی یہ جھونپڑی اور پرانا لباس تمہارا ہے اور یہ باتیں بھول جاؤ کہ تم منازل بالا میں پرواز کیا کرتے تھے۔

اللہ کریم کا یہ اتنا سنجیدہ، اتنا پکا اور اتنا پختہ نظام ہے اور یہ ہر بندے کے اپنے خلوص پہ چلتا ہے میں حیران ہوں میں یہ باتیں نہیں کرتا بکل سے آپ نے مجھ سے دو تین باتیں کروا لیں یہ باتیں کی نہیں جاتیں کیونکہ لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتیں۔ لوگ طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں انہیں نقصان ہوتا ہے ہمارا تو کیا بگڑتا ہے۔ وہ جو باتیں بناتے ہیں ان کو نقصان ہوتا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد عالی ہے کہ قولوا للناس علی قدر عقولهم لوگوں سے وہ باتیں کرو جو وہ سمجھ سکیں جس کی وہ عقل رکھتے ہیں۔ سالکین تو سمجھ سکتے ہیں لیکن یہاں کہی گئی بات یہ بات یہاں تک رہتی نہیں باہر نکل جاتی ہے تو باہر لوگ ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتے مذاق اڑاتے ہیں یا انکار کرتے ہیں تو اس سے انہیں نقصان ہوتا ہے۔ اس لیے یہ باتیں نہیں کی جاتیں تو آپ دیکھ لیں کہ بندے کے خلوص کی اہمیت کیا ہے؟ کہ دنیا میں اسے کہاں تک منازل دیے، عندالموت ٹھیک رہے۔ موت کے بعد بھی ہفتہ بھر ٹھیک رہے اور ہفتے بعد فرمایا تمہارا خلوص اتنا ہی تھا تمہاری پونجی اتنی ہی تھی تمہارا سرمایہ ختم ہو گیا اور پھر یہ بھی اس کا کرم ہے اس کا احسان ہے کہ اسے عذاب میں نہیں پکڑا کہا تمہارے شیخ کے طفیل تمہیں عذاب نہیں دیتے نجات میں رہو لیکن رہو گے مفلس ہی قرآن کریم فرماتا ہے فَمَنۡ زُحۡزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدۡخِلَ الۡجَنَّةَ فَقَدۡ فَازَ (ال عمران 185) جو دوزخ جانے سے بچ گیا وہ جیت گیا کامیاب ہو گیا۔ تو چلو دوزخ جانے سے بچ گیا اتنی برکت تو اسے حاصل ہو گئی لیکن وہ بات کہاں کہ کسی نے عالم امر کی سیر کی ہو اور پھر لطائف بھی باقی نہ رہیں۔ کہاں وہ لذت، کہاں یہ بات۔ ایک بندہ شاہی محل میں رہتا ہو اس سے زندگی نہ لی جائے لیکن اسے جھونپڑی میں رہنے پر مجبور کر دیا جائے کتنا فرق ہے تو یہ ہوتا ہے بندے کے اپنے خلوص پر اس کے نتائج اس طرح سے آتے ہیں۔

سوال: حدیث پاک مفہوم ہے کہ جس گھر میں تصویر اور کتا ہو اس گھر میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کتاب

بہشتی زیور میں لکھا ہے کہ کسی ولی یا بزرگ کی تصویر تبرک کے طور پر لگانا جائز نہیں؟

جواب :سب سے پہلا سوال جو اس پہ وارد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ تصویر ہوتی کیا ہے، تصویر کی Definition کیا ہے؟ تو اس میں علماء کی دو آراء ہیں یہ نقش جو کاغذ پہ بن جاتے ہیں اسے تصویر نہیں کہتے متقدمین علماء فرماتے ہیں کہ جس کے تین اضلاع ہوں لمبائی ، چوڑائی ، موٹائی ہو وہ تمثیل ہے، حدیث مبارک کے الفاظ میں لفظ تمثیل استعمال ہوا ہے لفظ تصویر نہیں تمثیل کہتے ہیں بت کو جس میں تھری ڈائمنشن three dimension ہوں اور تھری ڈائمنشن بت ہوتے ہیں چوڑائی ہے، لمبائی ہے، اونچائی ہے تو متقدمین علماء نے اس پر بحث کی ہے۔؟ ڈاکٹر غلام مرتضیٰ مرحوم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ ان کے پاس پوری کتاب ہے جس میں تمثیل سے مراد تھری ڈائمنشن three dimension چیز ہے پر پوری بحث ہے میں آپ کو پیش کروں گا لیکن انہیں پھر زندگی نے مہلت نہ دی وہ شہید ہو گئے اور کتاب انہیں کے پاس رہ گئی لیکن یہ طے ہے کہ متقدمین علماء نے تصویر کو تمثیل کہا ہے اصل لفظ جو قرآن میں آتا ہے وہ تمثیل ہے اور تمثیل کے تین اضلاع ہونے چاہئیں three dimension ہونا چاہیے۔ اگر یہی معنی لیے جائیں تو بات ہی ختم ہو گئی کہ کاغذ پر بنی ہوئی تصویر کا کیا ہے وہ اس میں آتی ہی نہیں لیکن اگر یہ کاغذ پر بنی ہوئی تصویر بھی مراد لی جائے تو اس میں بھی علماء کا فتویٰ یہ ہے کہ ایسی تصویر ہو جس میں زندگی کے آثار ہونا ممکن ہوں یعنی پورے وجود کی تصویر ہو جس میں حیات کا تصور ممکن ہو وہ ممنوع ہے۔ اس میں سارے متفق ہیں کہ جس میں حیات کا تصور ممکن نہ ہو وہ تصویر نہیں یعنی صرف چہرے کی تصویر ہو یا وجود کے آدھے حصے کی تصویر ہو۔

ایک دفعہ برصغیر میں بڑا شور مچا تھا کہ فوجیوں کے جو بٹن آتے تھے ان پر ملکہ برطانیہ کی تصویر ہوتی تھی تو اس سے نماز ہوتی ہے کہ نہیں؟ اب جیب میں نوٹ ہوتا ہے جس پر قائداعظم کی تصویر ہے تو نماز ہوتی ہے کہ نہیں؟ تو ایک سوال یہ کہ پاسپورٹ پر تصویر لگی ہوئی ہے اور آپ بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں طواف ہو گا یا نہیں ہو گا؟ علماء کرام فرماتے ہیں کہ یہ سرے سے تصویر ہی نہیں۔ اس میں زندگی کا تصور نہیں ہے اس پر سب متفق ہیں۔

تو جس میں زندگی کا تصور ممکن ہو یعنی یہ سرتاپا مکمل تصویر ہو وہ تصویر کے حکم میں آئے گی یہ رائے ان علماء کی ہے جو کاغذ کے نقش کو تصویر مانتے ہیں۔ جو علماء three dimension کو تصویر مانتے ہیں ان کے مطابق کاغذ پر نقش تصویر نہیں ہے۔ تو تصویر کا معاملہ یہ ہے کہ اگر احتیاط ہی کرنی ہے تو ایسی تصویر نہ لگائی جائے جس میں زندگی کا تصور ہو اور یہ درست بات ہے ورنہ اگر آپ اس بات پر آئیں گے کہ ہر نقش تصویر ہے تو پھر ہر بندے نے بت اٹھایا ہوا ہے۔ دس نوٹ جیب میں ہیں تو پھر دس بت ہیں کہیں جاتا ہے، حج پر بھی جاتا ہے تو پاسپورٹ پر، شناختی کارڈ پر ہے لہٰذا ان کا کوئی حرج نہیں یہ تصویر کے زمرے میں ہی نہیں آتے۔

جہاں تک کتے کی بات ہے اس میں بھی نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ان کے لیے ہے جو شوقیہ کتے پالتے ہیں۔ اگر کوئی چوکیداری کے لیے کتا رکھتا ہے تو وہ جائز ہے اور کوئی شکار کے لیے سدھایا ہوا کتا رکھتا ہے اور اس کی زندگی کا مدار ایک طرح سے شکار پر ہے تو درست ہے ورنہ شوقیہ شکار کی نہ تو اجازت ہے کہ جانور مارے اور نہ شوقیہ کتے رکھنے کی اجازت ہے لیکن کبھی کبھی لوگوں کی زندگی کا مدار شکار پر ہوتا ہے تو ان کے لیے قرآن کریم میں موجود ہے کہ وہ کتا جو تم نے سدھایا ہوا ہے وہ شکار کو پکڑ رکھے اور تم اسے ذبح کرلو تو وہ حلال ہے۔ اب کتے کو سدھانا اور شکار پر چھوڑنے تک کوئی کتا پالے گا تو سدھائے گا ناں! تو وہ جو ضرورت کے لیے رکھے جاتے ہیں وہ اس میں نہیں آتے۔ وہ کتے جو شوقیہ پالے جاتے ہیں اور سینے سے لگا کر تصویریں بنائی جاتی ہیں اور جن کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا ہے جیسے ایک فوجی جرنیل حکمران کی تصویر ہے جس میں اس نے دو کتے اٹھا رکھے تھے حالانکہ وہ نہ شکاری ہیں نہ چوکیداری کے لیے

رکھے ہوئے ہیں تو ان کا کوئی فائدہ نہیں تو وہ اس حدیث کے مصداق آتے ہیں ان چیزوں کو سمجھے بغیر لوگ فتوے دیتے رہتے ہیں اس مسئلے کو اور اس فتوے کو اس کی ضروریات کو اس کے اطلاق کو سمجھ لینا چاہیے کہ کہاں اس کا اطلاق ہوتا ہے اور کہاں نہیں ہوتا۔

شاہ اسماعیل شہید شکار کیا کرتے تھے اور اس زمانے میں بے شمار ہرن ہوا کرتا تھا۔ وہ زمانہ تیر و تلوار کا تھا۔ بندوق کا نہیں تھا۔ کسی نے انہیں کہا آپ شکار زیادہ کرتے ہیں تو انہوں نے کہا دیکھو پہلی بات تو یہ ہے کہ جہاد کی تیاری میں نشانہ بھی پختہ کرتا ہوں اور سارا دن پھرنے، چلتے رہنے سے ورزش بھی ہوتی ہے اور وجود بھی صحیح رہتا ہے اور مشق بھی ہوتی رہتی ہے تو میں وہ تیاری کرتا رہتا ہوں چھپ کر ہرنوں کے قریب جانا، تیر سے شکار کرنا اس سارے میں جہاد کے لیے مشق کی ساری صورتیں آجاتی ہیں دوسری بات یہ کہ شکار کا گوشت الطیب الرزق ہے کہ آپ شکار کر کے ذبح کر لیتے ہیں ۔یوں آپ نے رزق براہ راست اللہ سے لیا نہ درمیان میں دکاندار آیا نہ منڈی آئی نہ کوئی کمشن آیا، کچھ بھی نہیں۔ کہیں نہ کہیں، کسی سے کوئی خلل آجاتا ہے یہ تو آپ نے براہ راست اللہ سے لے لیا تو پاکیزہ ترین رزق ہے اسے حاصل کرنا چاہیے ۔یعنی شوقیہ جانور مارنا درست نہیں ہے میں نے ساری عمر شکار کیا ہے ۔ جب ہم ایک جانور شکار کر لیتے تھے تو شکار ختم ہو جاتا تھا۔ ضروری تو نہیں کہ جانور ختم کرنے ہیں۔ ہمارے پاس ہرن، اڑیال پھرتے رہتے تھے۔ ہم فائر نہیں کرتے تھے ہاں کبھی یہ ہوتا تھا کہ شکاریوں کی ایک ٹیم ہے ایک دن میں نے شکار کیا دوسرے دن کسی اور نے کر لیا اور پچاس ساٹھ سال کے پورے عرصے میں شاید دو یا تین جانور غلطی سے مارے گئے ہوں کہ ہم پانچ سات ہوتے تھے تو کسی نے ایک مار لیا، دوسرے کو نہیں پتا دوسرا مار لیا یا تیسرے نے اور یہ تین بھی میرا خیال ہے دو تین بار سے زیادہ نہیں مارے گئے غلطی سے بھی مارے جاتے تو دو مارے جاتے ورنہ ایک جانور شکار کیا شکار ختم ہو گیا۔ پھر آئیں گے پھر دیکھیں گے تو شوقیہ جانوروں کو نہیں مارنا چاہیے یہ شرعاً جائز نہیں ہے کہ شکاری آجاتے ہیں، پھر سو سو تیتر مارا، پھر اٹھا کر لے گئے اور پھر اس کو رشوت کے طور پر آگے لوگوں کو دے دیے یہ درست نہیں ہے۔ اپنے کھانے کے لیے چار پانچ مار۔ لو اب ہمارا اپنا ذاتی جنگل ہے اللہ نے دیا ہوا ہے اس میں بے پناہ تیتر ہے مجھے یاد نہیں پڑتا کہ کبھی ہم نے پانچ سات سے زیادہ مارے ہوں اور وہ بھی کبھی، ہر روز نہیں۔ کبھی کبھی بچے جاتے ہیں تو چار پانچ، چھ، سات، دس گنتی دس سے نیچے ہی رہتی ہے۔ اتنے ہی مارے جاتے ہیں جو ہم خود کھا لیں ہم کسی کو وہ لفافے بنا کر نہیں دیتے اور اب کئی سالوں سے پابندی لگا رکھی ہے بڑے بڑے دوست ناراض ہوئے، مجسٹریٹ ، جج، سیشن جج، فوجی آفیسر، کرنل سے لے جرنیل تک۔ آپ ہمیں شکار کرنے دیں میں نے کہا جی یہ ہماری پناہ میں ہیں ہمارے گھر میں رہتے ہیں ہم انہیں نہیں مارنے دیں گے۔ آپ نے شکار کرنا ہے تو اللہ کی زمین وسیع ہے کہیں اور کریں لوگ ناراض بھی ہوئے لیکن کوئی بات نہیں اللہ کی رضامندی کے مقابلے میں لوگوں کی حیثیت کیا ہے؟ ناراض ہوتے ہیں تو ہوتے رہیں تو یہ ہیں حدود تصویر کی، حدود ہیں کتے رکھنے کی بھی اور شکار کرنے کی بھی۔ اور ان حدود وقید سے بندے کو واقف ہونا چاہیے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

دعائے مغفرت

1۔ لاہور سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد امتیاز احمد کی والدہ محترمہ

2۔ لاہور سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی ڈاکٹر سرفراز کیانی کی والدہ محترمہ

3۔ گوجرانوالہ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی رانا محمد ندیم کی والدہ محترمہ

4۔ یو کے سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی ڈاکٹر محمد ایوب خان

5۔ بہاولپور سے سلسلہ کے عالیہ کے ساتھی چوہدری محمد افضل کی اہلیہ

6۔ سمبڑیال سیالکوٹ سے سلسلہ کے عالیہ کے ساتھی ماسٹر محمد اسماعیل

7۔ شیدو نوشہرہ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی ذیشان خٹک کی والدہ محترمہ

وفات پا گئے ہیں۔ دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

قسط نمبر 3

تکبر اور عجب کے علاج کے بیان میں

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "کیمیائے سعادت" سے انتخاب

ترجمہ: مولانا فخر الدین احمد صدیقی

حکایت: بنی اسرائیل میں ایک مرد تھا کہ اس سے زیادہ کوئی عابد نہ تھا اور ایک شخص تھا کہ اس سے زیادہ فاسق نہ تھا۔ وہ عابد بیٹھا تھا بادلی کے ایک ٹکڑے نے اس کے سر پر سایہ کرلیا۔ فاسق نے اپنے جی میں کہا کہ میں بھی جا کر اس عابد کے پاس بیٹھوں شاید حق اللہ تعالی اس کی برکت سے میرے اوپر رحمت کرے۔ جب اس کے اس پاس جا کر بیٹھا تو عابد نے کہا یہ کون ہے جو میرے برابر بیٹھا ہے یہ بڑا ہی گناہ گار ہے، اٹھ، چل دے۔ فاسق بیچارہ اٹھا اور چل نکلا اور وہ ابر بھی اس کے ساتھ روانہ ہوگیا۔ اس زمانہ میں جو رسول تھے ان پر وحی آئی کہ اس فاسق اور عابد دونوں سے کہہ دو، دوبارہ عبادت اور عمل کریں کیونکہ جو کچھ فاسق نے گناہ کیے تھے وہ اس کے نیک ایمان کے سبب سے ہم نے بخش دیئے اور عابد نے جو عبادت کی تھی وہ اس کے تکبر کے سبب سے ہم نے چھین لی۔ ایک شخص نے ایک عابد کی گردن پر پاؤں رکھا عابد نے کہا کہ اپنا پاؤں اٹھا ورنہ قسم خدا کی خدا تجھ پر رحمت نہ کرے گا اس زمانہ کے رسول پر وحی آئی کہ فلاں عابد سے کہہ دو کہ اے شخص تو میرے اوپر قسم کھا کر تحکم کرتا ہے کہ میں اسے نہ بخشوں گا بلکہ میں تجھ ہی کو نہ بخشوں گا اور اکثر یہ ہوتا ہے کہ جو کوئی عابد کو ستاتا ہے تو عابد جانتا ہے کہ حق تعالی اس ستانے والے پر رحمت نہ کرے گا اور شاید کہہ بیٹھے کہ ستانے والا بہت جلدی اس گستاخی کی سزا پائے گا اور اگر کوئی آفت اسے پہنچتی ہے تو عابد کہتا ہے کہ تم نے دیکھا اس پر کیا گزری یعنی یہ میری کرامت ہے اور یہ احمق نہیں جانتا کہ اکثر کافروں نے رسول مقبول ﷺ کو ستایا اور حق تعالی نے ان سے انتقام نہ لیا اور بعضوں کو دولت اسلام کی نصیب کی تو معاذ اللہ یہ بیوقوف جانتا ہے کہ رسول مقبول ﷺ سے زیادہ بزرگ ہوں کہ حق تعالی میرے سبب سے انتقام کرے گا اور جاہل عابد ایسے ہوتے ہیں اور زیرک ایسے ہوتے ہیں کہ خلق پر جو کچھ آفت آتی ہے تو جانتے ہیں کہ یہ ہماری شومئی نفاق اور ہماری ہی تقصیر کے سبب سے آئی جیسے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے باوصف اس صدق اور اخلاق کے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالی عنہ سے پوچھا کہ مجھ میں نفاق کی کیا علامت پاتے ہو۔ تو مسلمان پرہیزگاری کرتا ہے اور ڈرتا ہے اور احمق عابد ظاہر میں تو عمل کرتا ہے اور دل کو تکبر اور پندار کی نجاست میں آلودہ رکھتا ہے اور اس سے ڈرتا نہیں اور حقیقت میں جس نے یہ یقین کرلیا کہ میں دوسرے سے بہتر ہوں اس نے اپنی عبادت کو اس نادانی کی وجہ سے ضائع کیا کیونکہ جہل سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں ہے صحابہ رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین ایک دن کسی شخص کی تعریف کرتے تھے اتفاقاً وہ بھی وہاں آپڑا۔ صحابہؓ نے عرض کی کہ یارسول اللہ! ہم جس مرد کی تعریف کرتے تھے وہ یہی ہے رسول مقبول ﷺ نے فرمایا کہ میں اس میں نفاق کی علامت پاتا ہوں۔ سب تعجب میں رہے جب وہ شخص رسول مقبول ﷺ کے نزدیک آیا تو آپ نے فرمایا کہ تجھے قسم ہے خدا کی سچ کہہ کہ کبھی تیرے خیال میں آتا ہے کہ اس قوم میں تجھ سے بہتر کوئی نہیں۔ اس نے عرض کی کہ یارسول اللہ! ہاں آتا ہے۔ رسول مقبول ﷺ نے نور نبوت سے اس خبث کو اس کے باطن میں دیکھا اور اس کو نفاق کہا۔ عالموں اور عابدوں کے واسطے تکبر بڑی آفت ہے۔ یہ لوگ اس بات میں تین درجے کے ہیں پہلا درجہ وہ شخص ہے جو اپنے دل میں اس سے پاک نہ کر سکے مگر کوشش اور تکلف کر کے فروتنی کرتا ہے اور اس شخص کے سے فعل کرتا ہے جو اوروں کو اپنے سے بہتر جانتا ہے حتیٰ کہ کسی طرح اس کے قول وفعل سے تکبر ظاہر نہیں ہوتا یہ شخص تکبر

کا درخت اپنے باطن سے نہ اکھاڑ سکے گا لیکن اس کی شاخیں بالکل کاٹ ڈالے دوسرا درجہ یہ ہے کہ آدمی زبان کو نگاہ رکھے تا کہ اظہار کبر نہ کرے اور کہے کہ میں خود کو سب سے کمتر جانتا ہوں لیکن اس کے معاملات اور افعال میں ایسی باتیں ظاہر ہوں جو اس کے تکبر باطنی کی علامت ہوں مثلاً جہاں کہیں جاتا ہے وہ مقام صدر ڈھونڈھتا ہے اور آگے آگے چلتا ہے اور جو عالم ہو تو ایک طرف ہی اپنا سر رکھتا ہے جیسے لوگوں سے ننگ وعار رکھتا ہے اور اگر عابد ہو تو تیوری چڑھائے رہتا ہے گویا لوگوں پر غصہ میں ہے یہ دونوں احمق یہ نہیں جانتے کہ علم وعمل نہ سر پھیرنے میں ہے نہ ترش روئی میں بلکہ دل میں ہے اور ظاہر میں تواضع اور شفقت اور کشادہ روئی سب اس کا نور ہے کیونکہ رسول مقبول ﷺ تمام خلق سے زیادہ عالم اور متقی تھے اور آپ سے زیادہ کوئی فروتن اور کشادہ رو نہ تھا آپ کسی کی طرف بے مسکرائے ہوئے اور کشادہ پیشانی کیے ہوئے نہ دیکھتے تھے حق تعالی نے آپ سے خطاب فرمایا

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ O فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ

اے محمد ﷺ خدا کی رحمتوں میں سے یہ بھی تم پر ایک رحمت تھی کہ تم سبھوں کے ساتھ کشادہ رو اور نرم دل اور مہربان رہے کہ وہ تم سے نفور اور کنارہ کش نہ ہوئے تیسرا درجہ یہ ہے کہ زبان سے تکبر کا اظہار کر کے فخر اور خود ستائی کرتا ہے اور حال اور کرامت کا مدعی ہوتا ہے۔ عابد تو کہتا ہے کہ فلاں شخص کیا بیچارہ ہے اور اس کی عبادت کیا ہے، میں صائم الدہر، قائم اللیل ہوں، روز ختم قرآن کرتا ہوں، جو میرے درپے ہوتا ہے وہ ہلاک ہی ہو جاتا ہے، فلانے آدمی نے مجھے ستایا تھا جو کچھ اسے دیکھنا تھا دیکھا اس کا مال اور اولاد، غارت ہو گئی اور شاید جھگڑا بھی کرے، حتیٰ کہ اگر کچھ لوگ تہجد کی نماز پڑھتے ہوں تو وہ ان سے بہت زیادہ پڑھے تا کہ وہ عاجز ہوں اور اگر روزہ رکھتے ہوں تو وہ مدت تک بھوکا بیٹھا رہے اور عالم ہے تو یہ کہتا ہے کہ میں اتنا علم جانتا ہوں فلاں شخص کیا جانے وہ تو وہ اس کا استاد کیا تھا اور مناظرہ میں مخالف کو زیر کرنے کے واسطے کوشش کرتا ہے اگرچہ خود بالکل باطل ہی پر ہو اور رات دن اسی فکر میں رہتا ہے کہ کوئی عبارت اور سبع اور نادر بات یاد کرے تا کہ محفلوں میں کہے اور اس میں لوگوں پر سبقت کرے اور کبھی عجیب وغریب لغت اور حدیث شریف کے الفاظ حفظ کرتا ہے تا کہ اوروں کے سامنے اپنا کمال اور ان کا نقصان ظاہر کرے۔ ایسا عابد اور عالم کون ہے جو ان باتوں سے خالی ہے، یہ باتیں تھوڑی بہت سب میں ہیں پس جب یہ دیکھے سنے گا کہ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا کہ جس کے دل میں ایک حصے کے برابر تکبر ہے اس پر جنت حرام ہے تو اسے خوف اور درد زیادہ ہوگا تکبر نہ کرے گا اور سمجھ لے گا کہ حق تعالی فرماتا ہے کہ اے بندے اگر تو اپنے نزدیک بے قدر ہے تو میرے نزدیک تیری قدر ہے اور اگر تو خود اپنی کچھ قدر جانتا ہے تو میرے نزدیک بے قدر ہے اور جو حقائق دین میں سے اتنا بھی نہ سمجھے اسے عالم کہنے سے جاہل کہنا بہت بہتر ہے۔ تیسرا سبب نسب کی وجہ سے تکبر ہے حتیٰ کہ جو لوگ علوی ہوتے ہیں یا خواجہ زادے ہوتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ سب لوگ ان کے چیلے اور غلام ہیں اگرچہ پارسا اور عالم ہوں مگر یہ تکبر ان کے باطن میں رہتا ہے گو کہ اظہار نہ کریں ان لوگوں کو اگر غصہ آتا ہے تو آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اور غصہ قول وفعل سے ظاہر ہو جاتا ہے دوسرے سے کہنے لگتے ہیں کہ تیری کیا حقیقت ہے جو میرے ساتھ بات کرے تو اپنی اصلیت کو نہیں پہچانتا اور ایسی باتیں کہتے ہیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص سے جھگڑا کیا اور کہا یا ابن السودا یعنی او حبشی کے بچے۔ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا کہ ابوذر آپے سے باہر نہ ہو کیونکہ گورے آدمی کا بچہ کالے آدمی کے بچے پر فضیلت نہیں رکھتا۔ حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ میں لیٹ گیا اور اس شخص سے کہا تو اپنا پاؤں میرے منہ پر رکھ۔ اے عزیز! دیکھ تو کہ جب انھیں معلوم ہوا کہ یہ کلمہ تکبر کا ہے تو کیا فروتنی کی تا کہ اس سے تکبر ٹوٹ جائے۔ رسول مقبول ﷺ کے دو آدمی آپس میں تفاخر کرتے تھے ایک نے کہا میں فلاں ابن فلاں کا بیٹا ہوں تو کون ہے پس رسول مقبول ﷺ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے بھی دو آدمیوں نے فخر کیا تھا۔ ایک نے کہا تھا کہ میں فلاں ابن فلاں کا بیٹا ہوں اور بزرگوں کی نو پشتیں گن دی تھیں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی کہ اس سے کہہ دو کہ وہ نو تو دوزخ میں ہیں اور تو ان کا دسواں ہے اور رسول مقبول ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگ دوزخ میں کوئلہ ہو گئے ہیں ان پر فخر کرنے سے دست بردار ہو ورنہ حق تعالیٰ کے نزدیک کوزہ کتے سے بھی بدتر ہو جاؤ گے کہ وہ آدمی کی نجاست سونگھتا ہے اور چکھتا ہے۔ چوتھا سبب حسن وجمال کے سبب تکبر ہوتا ہے یہ عورتوں میں اکثر ہوا کرتا ہے جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک عورت کو فرمایا کوتاہ قد ہے رسول مقبول ﷺ نے ان کو فرمایا تم نے غیبت کی اور یہ اپنے قد پر تکبر ہے کیونکہ اگر وہ خود کوتاہ قد ہوتیں تو یہ کلمہ نہ فرماتیں۔ پانچواں سبب تونگری کے باعث سے تکبر ہوتا ہے کہ آدمی یوں کہتا ہے کہ میرا مال میری دولت ایسی ہے اور تو ٹکڑا گدا اور مفلس ہے میں اگر چاہوں تو تیرے ایسے کتنے غلام مول لے لوں اور ایسی باتیں کہتا ہے اور سورہ کہف میں دو بھائیوں کا قصہ جو ہے ایک نے کہا اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا وہ اسی قبیل سے ہے۔ چھٹا سبب قوت کے سبب سے ضعیفوں پر تکبر ہوتا ہے۔ ساتواں سبب تابعین اور شاگردوں اور غلاموں اور نوکروں اور مریدوں کے سبب سے تکبر ہوتا ہے۔ غرضیکہ جس چیز کو آدمی نعمت سمجھتا ہے اس کے سبب سے فخر کرتا ہے اگرچہ وہ نعمت نہ ہو حتیٰ کہ مخنث بھی اسباب مخنثی کے سبب سے اور مخنثوں پر فخر کرتا ہے تکبر کے اسباب یہی ہیں اور تکبر ظاہر ہونے کا سبب یا عداوت اور حسد ہوتا ہے کیونکہ آدمی جب کسی کو دشمن رکھتا ہے تو چاہتا ہے کہ اس پر تکبر اور فخر کرے اور یہ بھی ہوتا ہے کہ ریاء تکبر کا سبب ہو کہ آدمی لوگوں کے سامنے تکبر کرے تا کہ لوگ اسے تعظیم سے دیکھیں حتیٰ کہ کوئی شخص کسی سے مناظرہ کرے کہ جانتا ہے کہ طرف ثانی بڑا افاضل ہے اور اپنے دل میں متواضع رہے فقط ظاہر میں تکبر کرے تا کہ لوگ طرف ثانی کو افضل جانیں۔ اے عزیز جان اب جو تو تکبر کے اسباب جان چکا تو اس کا علاج پہچاننا چاہیے۔

تکبر کے علاج کا بیان

اے عزیز! جان تو کہ جو بیماری ایک حبہ کی قدر ہو خواہ سعادت بند کردے اور بہشت سے محجوب رکھے اس کا علاج فرض عین ہے اور اس بیماری سے کوئی شخص خالی نہیں ہے اس کا علاج دو قسم پر ہے ایک مجمل ایک مفصل علاج علم وعمل کی معجون سے مرکب ہے علاج علمی یہ ہے کہ آدمی حق سبحانہ تعالیٰ کو پہچانے تا کہ معلوم ہو جائے کہ کبریائی عظمت اس کے سوا اور کسی کو سزاوار نہیں اور خود کو پہچانے تا کہ معلوم کرے کہ مجھ سے زیادہ حقیر اور ذلیل خوار اور کمتر کوئی نہیں اور یہ مسہل ہے کہ بیماری کی جڑ اور مادہ کو باطن سے قطع کرتا ہے اگر کوئی شخص تمام علاج جاننا چاہے اسے قرآن شریف ایک آیت کافی ہے اسے جان لے وہ آیت یہ ہے قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ۝ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ۝ مِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ۝ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ۝ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ۝ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ۝ حق سبحانہ وتعالیٰ نے آدمی کو اپنی قدرت پہچنوائی اور اس کے اول و آخر اور درمیان کا کام اس سے بیان کر دیا۔ اول کا کام تو یہ ہے کہ فرمایا مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ آدمی کو چاہیے کہ یہ بات جان لے کہ کوئی چیز نیست سے زیادہ ناچیز نہیں ہوتی اور آدمی نیست تھا کیونکہ اس کا نام ونشان کچھ بھی نہ تھا اور ازل سے پیدا ہونے کے وقت تک عدم کے پردے میں چھپا تھا جیسا کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا حق تعالیٰ نے خاک کو پیدا کیا کہ اس سے زیادہ کوئی چیز ذلیل نہیں اور نطفہ اور علقہ کو پیدا کیا کہ وہ ذرا سا پانی اور خون ہے اور اس سے زیادہ کوئی چیز پلید نہیں اور آدمی کو اس نیست سے ہست کیا اور اس کی اصل چیز ناچیز منی اور گندے پانی اور پلید خون سے بنائی، اس کے بعد آدمی پارہ گوشت تھا اس میں سماعت، بصارت، ذوق، گویائی، قوت، حرکت کچھ نہ تھی بلکہ ایک جماد تھا کہ اپنی بھی کچھ خبر نہ رکھتا تھا تو اور چیز کا کیا ذکر پھر، حق تعالیٰ نے اس میں سماعت، بصارت، ذوق گویائی، قوت، قدرت، ہاتھ، پاؤں، آنکھ اور سب اعضاء پیدا کیے چنانچہ وہ دیکھتا ہے کہ ان چیزوں

میں سے کوئی چیز نہ تو خاک میں تھی نہ نطفہ میں نہ خون میں اور اس میں اتنی عجائب غرائب چیزیں پیدا کیں تا کہ ان کے سبب سے خالق کی بزرگی اور بڑائی پہچانے نہ یہ کہ ان کے سبب سے تکبر کرے کیونکہ اس نے کچھ اپنی کوشش سے یہ چیزیں حاصل نہیں کی ہیں کہ اس کے سبب سے تکبر کرے جیسا کہ حق تعالی نے ارشاد کیا وَمِنْ اٰيَاتِهٖ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ آدمی کا پہلا کام تو یہ ہے اے عزیز دیکھ تو کہ اسے اب تکبر کی جگہ ہے یا اپنے سے ننگ وعار رکھنے کی اور اس کے درمیان کے کام یہ ہیں کہ حق تعالی اسے اس عالم میں لایا اور ایک مدت تک رکھا اور یہ قوتیں اور اعضا اسے عنایت کیے اگر حق تعالی اس کے کام اسی کے اختیار میں دیتا اور اسے بے پروا کرتا تو ممکن تھا غلطی میں پڑسکتا کہ میں کچھ ہوں بلکہ بھوک، پیاس، بیماری، جاڑا گرمی، درد، رنج دولا کھ مختلف بلائیں اس کے سر پر لٹکا رکھی ہیں تا کہ کسی ساعت اپنی طرف سے ایمن نہ ہو کیونکہ شاید مرجائے یا اندھا بہرا یا دیوانہ یا بیمار درماندہ ہوجائے یا بھوک پیاس کے مارے مرجائے اور حق سبحانہ تعالی نے اس کی منفعت کڑوی دواؤں میں رکھی تا کہ اگر فائدہ چاہتا ہے تو سردست رنج اٹھائے۔ اور اس کا زیان اچھی چیزوں میں رکھا تا کہ فی الحال لذت پائے تو پھر اس کا رنج اٹھائے۔ اس کے کاموں میں سے کوئی کام اس کے ہاتھ میں نہیں دیا حتیٰ کہ جو کچھ وہ چاہتا ہے کہ جانوں، اسے نہیں جانتا ہے اور جو کچھ چاہتا ہے کہ بھول جاؤں اسے نہیں بھول سکتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے کہ نہ خیال کروں وہ اس کے دل پر غلبہ کرتی ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے کہ خیال کروں اس سے دل بھاگتا ہے اور باوصف عجائب صنعتوں اور جمال اور کمال کے جو اس کے واسطے پیدا کیا ایسا عاجز کر دیا کہ اس سے زیادہ بدبخت اور کمتر اور عاجز کوئی چیز نہیں اور اس کا اخیر کام یہ ہے کہ مرجائے گا نہ سماعت رہے گی نہ بصارت نہ قوت نہ جمال نہ بدن نہ اعضاء بلکہ ایسا مردار گندہ اور متعفن ہوجائے گا کہ سب لوگ اس سے اپنی ناک بند کریں گے اور کیڑے مکوڑوں اور حشرات الارض کے پیٹ میں نجاست ہوجائے گا پھر آخر کو دوبارہ خاک ہو کر ذلیل وخوار ہوگا اور اسی طرح خاک ہی رہتا تو بھی فائدہ اٹھاتا کہ چار پایوں کے برابر رہتا وہ تو یہ دولت بھی نہ پائے گا بلکہ حشر کریں گے اور ہیبت کے مقام میں رکھیں گے حتیٰ کہ آسمانوں کو پھٹا ہوا دیکھے گا اور ستاروں کو گرا ہوا اور آفتاب اور ماہتاب کو بے نور اور پہاڑوں کو دھنکی ہوئی روئی کی طرح پراگندہ اور زمین کو بدلی ہوئی اور دیکھے گا کہ دوزخ کے فرشتے کمند ڈال رہے ہیں اور دوزخ گرج رہی ہے اور فرشتے ایک ایک کے ہاتھ میں اعمالنامہ دے رہے ہیں حتیٰ جو کچھ تمام عمر میں فضیحتیاں اور رسوائیاں کی ہیں سب آدمی اسے دیکھتے ہیں اور ایک ایک پڑھتے ہیں اور رام ہوتے ہیں۔ فرشتے اس سے کہتے ہیں آ جواب دے کہ تو نے کیوں کیا؟ کیوں کھایا؟ بیٹھا کیوں؟ اٹھا کیوں؟ دیکھا کیوں؟ خیال کیا اور معاذ اللہ اس سے عہدہ برآنہ ہوسکے گا تو اسے دوزخ میں ڈال دیں گے۔ اس وقت وہ کہے گا کہ کاش میں سور یا کتا ہوتا تا کہ خاک ہوجاتا کیونکہ وہ اس عذاب سے چھوٹے ہوئے ہیں تو جس شخص کا حال سور اور کتے سے بھی بدتر ہونا ممکن ہو اس کو تکبر کرنے کا کیا محل ہے اور فخر کرنے کا کیا موقع ہے کیونکہ اگر آسمان زمین کے سب ذرے اس کی مصیبت پر روئیں اور اس کی فضیحتوں اور رسوائیوں کا کاغذ پڑھیں تو قاصر رہیں۔ اے عزیز! بھلا کبھی تو نے دیکھا ہے کہ بادشاہ نے کسی کو گناہ کے سبب سے پکڑا اور قید خانہ میں بند کیا اور وہ قیدی اس خطر میں ہے کہ مجھے سولی دیں گے یا عذاب کریں گے باوجود اس کے وہ قیدی تفاخر اور تکبر میں مشغول ہو اور تمام خلق دنیا میں بادشاہ عالم کے قید خانے میں ہے اور گناہ بہت رکھتی ہے اور انجام کار نہیں پہچانتی ہے تو ایسی جگہ میں اس حال کے ساتھ فخر اور تکبر کا کیا محل ہے تو جس شخص نے خود کو اس صفت کے ساتھ پہچانا تو یہ پہچان اس کا مسہل ہوجائے گی اور اس کے باطن سے تکبر کی جڑ بالکل کھود ڈالے گی حتیٰ کہ وہ کسی چیز کو اپنے سے زیادہ کمتر نہ دیکھے گا بلکہ چاہے کہ خاک ہوتا یا چڑیا یا جماد کہ اس سخت خطر میں نہ ہوتا اور علاج عملی یہ ہے کہ سب احوال اور اقوال میں متواضعوں کی راہ اختیار کرے جیسا کہ رسول مقبول ﷺ زمین پر روٹی کھاتے تکیہ نہ لگاتے اور فرماتے کہ میں بندہ ہوں میں اس طرح کھاتا ہوں جس طرح بندے کھاتے ہیں۔ حضرت سلیمان السلام

سے لوگوں نے پوچھا کہ تم نیا کپڑا نہیں پہنتے کہا میں بندہ ہوں اگر کسی دن آزاد ہوں گا تو آخرت میں نیا لباس پہنوں گا۔

اے عزیز جان تو کہ اسرار نماز میں سے ایک تواضع بھی ہے کہ رکوع سجود سے حاصل ہوتی ہے اور چہرہ جو سب اعضاء سے زیادہ عزت دار ہے آدمی اسے خاک پر رکھتا ہے جو سب چیزوں سے زیادہ ذلیل ہے اس واسطے کہ عرب کو ایسا تکبر تھا کہ پیٹھ نہ جھکاتے تھے تو یہ سجدہ ان پر قہر عظیم تھا پس آدمی کو چاہیے کہ کبر جو حکم دے اس کے خلاف ہی کرے اور صورت اور زبان اور آنکھ اور نشست برخاست اور لباس اور سب حرکت وسکنات پر کبر ظاہر ہوتا ہے تو چاہیے کہ آدمی تکلف کر کے کبر سب سے دور کرے تا کہ تواضع اس کی سرشت ہو جائے تکبر کی علامتیں بہت ہیں ایک یہ ہے کہ جب تک کوئی دوسرا آدمی اس کے ساتھ نہ ہو تب تک اکیلا کہیں جانا نہ چاہے اس امر سے حذر کرنا چاہیے۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جتنے آدمی تیرے ساتھ زیادہ ہوتے ہیں اتنا ہی تو حق تعالیٰ سے دور رہتا ہے رسول مقبول ﷺ لوگوں کے بیچ میں چلا کرتے تھے کبھی ایسا ہوتا کہ لوگوں کو آگے کر لیتے اور ایک علامت یہ ہے کہ متکبر چاہتا ہے کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے رہیں اور اس کیواسطے سروقد اٹھ کھڑے ہوا کریں رسول مقبول ﷺ اس امر سے کراہت رکھتے تھے کہ کوئی آپ کے واسطے سروقد اٹھ کھڑا ہو امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی دوزخی کو دیکھا چاہتا ہو اس سے کہہ دو کہ ایسے آدمی کو دیکھ لے جو خود تو بیٹھا ہو اور لوگ اس کے سامنے کھڑے ہوں اور علامت یہ ہے کہ متکبر کسی کی ملاقات کو نہیں جاتا۔ حضرت سفیان ثوری مکہ معظمہ پہنچے تو حضرت ابراہیمؒ ادھم نے ان کو بلایا کہ یہاں آ کر مجھ سے حدیث روایت کرو حضرت سفیانؒ چلے آئے حضرت ابراہیم ادہم نے کہ میں نے چاہا کہ تمہاری تواضع آزماؤں اور ایک علامت یہ ہے کہ متکبر یہ نہیں چاہتا فقیر اس کے پاس بیٹھے اور رسول مقبول ﷺ فقیر کے ہاتھ میں اپنا دست مبارک دیتے جب تک وہ نہ چھوڑتا آپ اسی طرح رہتے اور جو شخص ایسا بیمار ہوتا کہ اور لوگ اس سے حذر کرتے آپ اس کے ساتھ کھانا نوش کرتے اور ایک علامت یہ ہے کہ متکبر اپنے گھر میں کچھ کام نہیں کرتا رسول مقبول ﷺ سب کام کرتے تھے خلیفہ عمر ابن العزیز نے ایک رات کسی کو مہمان رکھا چراغ گل ہونے لگا مہمان نے کہا کہ تیل لے آؤں فرمایا نہیں مہمان سے کام کہنا مروت سے بعید ہے مہمان نے کہا کہ غلام کو جگاؤں فرمایا نہیں وہ ابھی سویا ہے پھر آپ اٹھ کر تیل کا برتن لائے اور چراغ میں تیل ڈالا مہمان نے کہ یا امیر المومنین یہ کام خود آپ نے کیا فرمایا ہاں جب میں گیا تھا تب بھی عمر تھا اور اب پھر آیا تو بھی عمر ہوں اور ایک علامت یہ ہے کہ متکبر سودا سلف بازار سے خود اپنے گھر نہیں لے جاتا۔ رسول مقبول ﷺ نے ایک دن کوئی چیز لی تھی اور خود لیے جاتے تھے ایک شخص نے چاہا کہ میں اسے لے چلوں آپ نے نہ مانا اور فرمایا کہ جس کی چیز ہے اسی کا لے چلنا بہتر ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکڑیاں پیٹھ پر لادے بازار میں جاتے اور کہتے کہ اپنے امیر کو راہ دو یہ اس وقت کا ذکر ہے جب وہ امیر تھے ۔امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بائیں ہاتھ میں گوشت لٹکائے ہوئے اور داہنے ہاتھ میں درہ لئے بازار میں جاتے اور ایک علامت یہ ہے کہ جب تک اچھے کپڑے نہ ہوں تب تک متکبر نہیں نکلتا امیر المومنین حضرت عمرؓ کو لوگوں نے بازار میں دیکھا کہ ہاتھ میں درہ لیے ہیں اور چودہ پیوند چادر میں لگے ہیں ان میں بھی بعضے چمڑے کے ہیں امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوتاہ کپڑا پہنتے تھے لوگوں نے خود شکایت کی فرمایا کہ اس لباس سے دل خاشع رہتا ہے اور لوگ پیروی کرتے ہیں فقیر کوش ہوتے ہیں حضرت طاؤس رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ جب دھوئے ہوئے کپڑے پہنتا ہوں تو جب تک پھر میلے نہ ہو جائیں تب تک اپنے دل کو میں پاتا ہی نہیں یعنی اپنے دل میں رعونت اور تکبر پاتا ہوں۔ خلیفہ عمر ابن عبدالعزیز رحمہ اللہ علیہ کے واسطے خلافت کے پہلے ہزار دینار کا کپڑا مول لیا جاتا کہتے کہ اچھا تو ہے لیکن اس بھی زیادہ نرم چاہیے اور خلافت کے بعد پانچ درہم کا کپڑا مول لیتے اور فرماتے کہ خوب ہے لیکن اس سے زیادہ موٹا کپڑا چاہیے۔ لوگوں نے پوچھا، کہ یہ کیا بات ہے فرمایا حق تعالیٰ نے مجھے نفس لذت طلب دیا

ہے جب ایک چیز کی حلاوت چکھ چکتا ہے تو اسے نہیں طلب کرتا ہے اب خلافت کا مزہ چکھا اس سے بڑھ کر کوئی مرتبہ نہیں تو اب بادشاہی ابد کی طرف دوڑتا ہے اور اسے ڈھونڈھتا ہے۔

اے عزیز جان! گمان نہ کرنا کہ جتنے اچھے کپڑے ہیں سب تکبر کی وجہ سے ہوتے ہیں کیونکہ آدمی ہر چیز میں اچھائی کو دوست رکھتا ہے اس کی پہچان یہ ہے کہ خلوت میں اچھے ہی کپڑے کو دوست رکھے اور کوئی شخص پرانے کپڑے کے سبب سے تکبر کرتا ہے کہ اس کو پہن کر خود کو زاہد ظاہر کرتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لوگوں سے کہا کہ کیا جو تم راہبوں کا لباس پہنے اور باطن کو بھیڑیے کی صورت بنا رکھا ہے بادشاہوں کا لباس پہنو ہو اور خوف خدا سے دل کو نرم کرو امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ جب ملک شام کو پہنچے تو پھٹے پرانے کپڑے پہنے تھے لوگوں نے عرض کی یا امیر المومنین! یہاں دشمن لوگ ہیں اگر اچھے کپڑے پہن لیجیے تو کیا ہوگا۔ فرمایا کہ حق سبحانہ تعالی نے مجھے اسلام کے سبب سے عزت دار کیا ہے اور کسی چیز میں عزت نہ ڈھونڈوں گا غرضیکہ جو کوئی تواضع سیکھا چاہے اسے چاہیے کہ جناب رسول کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی سیرت دریافت کر کے اس کی پیروی کرے۔ حضرت ابوسعید خدری رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں، سول مقبول ﷺ جانوروں کو چارہ ڈالتے، اونٹ کو باندھتے، گھر جھاڑتے، بہارتے، بکری کا دودھ دوہتے، نعلین شریفین ٹانک لیا کرتے، کپڑے میں پیوند لگا لیتے، خادم کے ساتھ کھانا کھاتے، جب خادم تھک جاتا تو چکی پیسنے میں اس کی اعانت کرتے، بازار سے چادر میں سودا سلف باندھ لاتے، امیر فقیر چھوٹے بڑے سب کو پہلے خود سلام کر کے مصافحہ کرتے، غلام آزاد، چھوٹے بڑوں کے درمیان دین کے امور میں فرق نہ کرتے۔ دن رات کا ایک ہی لباس رکھتے جو خاکسار پریشان حال آپ کی دعوت قبول فرماتے جو کھانا آپ کے سامنے رکھ دیا جاتا اگرچہ تھوڑا ہوتا اس کو حقیر نہ جانتے۔ رات کا کھانا صبح کے واسطے نہ رکھتے صبح کا کھانا رات کے واسطے نہ رکھتے آپ نیک خو تھے، کریم الطبع ملنسار شگفتہ رو تھے، مسکراتے بے قہقہہ لگائے اندوہ گین ہوتے، بے تیوری بھنویں چڑھائے، متواضع تھے، بے مذلت باہیبت تھے بے درشتی وشدت، بے اسراف سخی اور کریم تھے سب لوگوں پر رحیم تھے آپ کا دل بہت نرم تھا سر جھکائے رہتے، یہ مقتضائے حیاء وشرم تھا کسی سے طمع نہ رکھتے تھے جو کوئی اپنی سعادت چاہے آپ کی پیروی کرے یہی سبب تھا کہ حق تعالی نے آپ کی تعریف کی اور فرمایا اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ اور علاج تفصیلی یہ ہے کہ تو غور کر کہ کس سبب سے تکبر کرتا ہے اگر نسب کے سبب سے تکبر کرتا ہے تو اپنا نسب جاننا چاہیے کہ حق تعالی ارشاد فرماتا ہے وَبَدَاَ خَلۡقَ الۡاِنۡسَانِ مِنۡ طِیۡنٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسۡلَهٗ مِنۡ سُلٰلَةٍ مِّنۡ مَّآءٍ مَّهِیۡنٍ یعنی تیری اصل خاک سے ہے اور فرع نطفہ سے تو نطفہ باپ ہوا اور خاک دادا اور دونوں سے زیادہ خوار ذلیل کون ہے اگر تو کہے کہ آخر باپ بھی تو درمیان میں ہے تو تجھ میں اور تیرے باپ کے درمیان نطفہ اور علقہ اور مضغہ اور بہت ناپاکیاں اور رسوائیاں ہیں تو انہیں کیوں نہیں دیکھتا اور تعجب یہ ہے کہ اگر باپ خاکروبی یا حجامی کرتا تو اس سے ننگ وعار رکھتا اور کہتا ہے کہ عجب ناپاک ہے کہ خاک وخون میں ہاتھ بھرتا ہے تو بھی تو خاک اور خون ہی سے بنا ہے پھر کیوں فخر کرتا ہے اور تو نے جب جان لیا تو تیری مثل اس شخص کی ایسی ہوگی جو خود کو سید علوی سمجھے اور دو گواہ عادل اس پر گواہی دیں کہ یہ فلمٹا ہے اور فلانے حجام کا لڑکا اور وہ ثابت کر دیں جب تجھے یہ معلوم ہو جائے گا تو پھر تکبر نہ کر سکے گا دوسری بات یہ ہے کہ جو شخص نسب کے سبب سے ناز کرتا ہے تو حقیقت میں دوسرے کے سبب سے ناز کرتا ہے اور بزرگی تجھ ہی میں ہونا چاہیے اس واسطے کہ آدمی کے پیشاب جو کیڑا پیدا ہوتا ہے اسے اس کیڑے پر جو گھوڑے کے پیشاب سے پیدا ہو کچھ بزرگی نہیں ہوتی دوسرا تکبر وہ بیان ہوا جو حسن وجمال کے سبب سے ہو تو جو شخص اپنے حسن وجمال کے سبب فخر کرے اسے چاہیے کہ اپنے باطن میں دیکھے تاکہ برائیاں ظاہر ہوں اور نظر کرے کہ اس کے پیٹ اور مثانہ اور رگوں ناک کان اور سب اعضاء میں کیا کیا نجاست اور کثافت ہے۔ (جاری ہے)

سفرنامہ

غبار راہ

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

19 جنوری 1992ء:

پھر سے بیگ اٹھایا اور ہم راہ نوردِ شرق ہوئے۔ غرب سے لوٹے تھے، شرق کو چل دیئے۔ رات کو راولپنڈی میں احباب کا اجتماع تھا۔ دوسرے روز کراچی کے لیے جہاز میں بیٹھا اور۔ 12 بجے دوپہر پہنچ گیا۔ مصروفیت نے رات۔ 12 بجادیئے۔ صبح۔ 4 بجے ایئرپورٹ کو نکلے۔ کرنل محبوب صاحب نے تھائی لینڈ تک رفاقت کا ارادہ کر لیا تھا، سو وہ بھی ہمراہ ہو لیے اور یوں۔ 6 کے بجائے۔ 7 بجے صبح کراچی سے اُڑ کر ہم کوئی سوا گیارہ بجے دِن ڈھاکہ پہنچ گئے۔ دو سال پہلے جب میں بنگلہ دیش آیا تھا، جہاز کراچی سے کھٹمنڈو اور پھر ڈھاکہ آیا تھا۔ کھٹمنڈو کے ٹو (K-2) کی مشہور چوٹی کے دامن میں ہے اور بہت خوبصورت نظارہ تھا مگر تب کیمرہ ساتھ نہ تھا۔ اب کے خاص اہتمام اور خیال سے کیمرہ ساتھ رکھا تو جہاز میاں سیدھے ڈھاکہ پہنچ گئے۔ یہ 21 جنوری کا دِن تھا، احباب ہوائی اڈے پہ منتظر تھے۔ قیام گاہ کو روانہ ہوئے تو ڈھاکہ کو پہلے کی نسبت کافی بدلا ہوا پایا۔ سب سے پہلی نگاہ گاڑیوں پر پڑی جو پہلے یہاں بہت کم اور صرف پرانی نظر آتی تھیں۔ اب یہ نئی کاروں سے بدل گئی تھیں اور تقریباً ہر قسم کی گاڑی دیکھی، حتیٰ کہ پجیرو اور لینڈ کروزر کے نئے ماڈل بھی سڑک پر تھے۔ دوسری چیز یہ دیکھی کہ سڑکیں بہت کھلی کر دی گئی تھیں، بلکہ ایئرپورٹ سے آنے والی سڑک جب شہر کو مڑتی ہے تو اتنی چوڑی ہو جاتی ہے کہ بڑا ہوائی جہاز اس پر آسانی سے اتر سکتا ہے۔ اگرچہ سواری کا سب سے زیادہ ذریعہ تو اب بھی وہی سائیکل رکشہ ہے، مگر اس کی جگہ اب موٹر رکشہ بھی کافی ہیں۔ اور وہ موٹر رکشہ جو پیچھے زیادہ سیٹوں والا ہوتا ہے، یہاں بے بی ٹیکسی کہلاتا ہے اور وہ بھی کافی نظر آتا ہے۔ نیز شہر بہت پھیل رہا ہے کہ دیہات میں زندگی دشوار ہے اور لوگ شہر کا رخ کرتے ہیں۔

مغرب کے بعد ایک ایسی ہی نئی آبادی میں بیان تھا اور وہیں قیام بھی تھا، تو ہماری موٹر کو بھی پورے شہر سے گزرنا پڑا۔ بہت خوبصورت بازار بھی نظر آئے، اور دو شوروم بھی تھے جن میں نئی کاریں کھڑی تھیں۔ جب نئی آبادی کو مڑے تو دیکھا کہ آبادیاں بغیر کسی منصوبہ بندی کے بڑھ رہی ہیں چنانچہ بازار اور گلیاں بہت تنگ تھیں۔ یہ تو انہی ڈرائیوروں کی مہارت ہے کہ وہ راستہ بنا لیتے ہیں، اور ایک دوسرے کے پاس سے گزر جاتے ہیں، باہر کا آدمی تو پیدل بھی نہیں گزر سکتا۔ آبادی بے تحاشا بڑھ رہی ہے۔ لوگوں کے پاس گھر نہیں، کھانا نہیں، لباس تک نہیں مگر بچے دس دس، بارہ بارہ ہیں جو گلیوں میں بلا مقصد گھوم رہے ہیں۔ اس کے ساتھ سائیکل، سائیکل رکشے، موٹر رکشے اور ریڑھی والے، پیدل چلنے والوں کا ہجوم، ایک عجیب حشر بپا ہے، اور سب سے بڑھ کر وہ سڑاند جو ان نئی آبادیوں کے نیچے کھڑے ہوئے گندے اور سیاہ پانی سے اٹھ رہی ہے۔ الامان! جی ہاں! آبادی کے نیچے پانی، وہ ایسے کہ یہ لوگ گڑھے بنا کر مٹی اٹھا لیتے ہیں اور اس سے اونچا راستہ بناتے ہیں کہ برسات کے پانی سے بلند رہے جو عموماً چھ فٹ تو ضرور بلند ہوتا ہے۔ اکثر اس سے دوگنا بھی، تو اس کے گرد سارا پانی ہوتا ہے جو برسات میں جمع ہو کر دوسری برسات تک کھڑا ہوا سڑتا رہتا ہے، اور لوگ ساری گندگی اس میں پھینکتے چلے جاتے ہیں جو اس کی سڑاند میں مزید اضافے کا باعث بنتی ہے۔ پھر سڑک یا راستے کے گرد بانس گاڑ کر ان پر بانس کی چھت ڈال دی جاتی ہے، جو دوکان یا مکان کا فرش بن جاتی ہے۔ پکا مکان بنانے والے کنکریٹ کے ستون بنا لیتے ہیں۔ غرض Basement یعنی تہہ خانہ سب کا پانی میں ہے اور یوں بازار سے پیچھے دور تک گھر بن جاتے ہیں، اور ہر گھر نہ صرف کوڑا

کر کٹ اس پانی میں پھینکتا ہے بلکہ اپنے غسل خانے کا گٹر بھی اسی میں چھوڑ دیتا ہے۔ جیسے ہی بڑی سڑک سے مڑیں تو (اگرچہ بدبو تو بڑی سڑک پر بھی ہوتی ہے، مگر وہاں بو آ رہی ہوتی ہے اور یہاں آپ بو کے اندر جا رہے ہوتے ہیں) ننگے بیمار، کمزور بچے، کچھ اچھے کپڑوں میں لوگ، کچھ گداگر اور باقی دکاندار، راستہ چلنے والوں کی ہمت کو دعوت دیتے ہیں۔ کوئی جھگڑا نہیں کرتا مگر شور بہت کرتے ہیں، اور راستہ مانگنے والا بھی شور کرتا ہے۔ راستہ دینے والا بھی گلا پھاڑ پھاڑ کر چلاتا ہے۔ شاید یہ شور شرابا ان کی زندگی کا حصہ ہے جسے سن کر کسی کو فکر نہیں ہوتی کہ باہر شور کیسا ہے۔ ہم بھی اسی ہجوم عاشقاں میں راستہ بناتے چلے گئے۔ ڈرائیور کافی ماہر معلوم ہوتا تھا چنانچہ بخیریت منزل پالی۔ الحمد للہ! مغرب کے بعد مسجد میں بیان ہوا۔

خطبہ مسنونہ کے بعد سورۃ الصّٰفّٰت کی آیات 77-75 تلاوت کیں، جس کا مفہوم ہے کہ نوح علیہ السلام نے ہم کو پکارا اور ہم کیا ہی خوب سننے اور قبول کرنے والے ہیں کہ اس کو اور اس کے ماننے والوں کو نجات دی، اور ہمیشہ کے لیے انسانیت کو اس کی اولاد سے باقی رکھا۔

بیان کا مفہوم یہ تھا:

ایمان یہ ہے کہ خواہ حالات کتنے بھی بگڑ جائیں، جہاں ظاہری اسباب کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں، وہاں مومن کے لیے اللہ تعالیٰ سے تعلق، اللہ کی اطاعت، اور اللہ سے دعا کرتے رہنا بہت ضروری ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے بہت لمبی اور طویل پریشانی کا مقابلہ کیا۔ ساڑھے نو سو برس قوم کو اللہ کی طرف بلاتے رہے مگر جواب میں صرف تلخ کلامی سننا پڑتی، بلکہ اکثر اوقات وہ لوگ آپ کو مارتے مارتے بے ہوش کر کے چلے جاتے مگر آپ نے کوشش ترک نہ کی اور نہ عبادات میں کمی آنے دی۔ اللہ کے نبی اور اولوالعزم رسول تھے، لہٰذا اللہ ہی سے دعا بھی کرتے رہے۔ اس طویل مدت میں تقریباً 80 مرد و زن نورِ ایمان سے مشرف ہوئے، باقی ساری قوم محروم ہی رہی تو آپ نے ان سے گلوخلاصی کی دعا کی اور کفار سے ناامیدی کی بات بارگاہ الٰہی میں پیش کی۔ عرض کیا کہ بارِ الہا: دُنیا پہ کوئی کافر نہ چھوڑ کہ اب تو ان کی اولاد سے بھی اور آئندہ پیدا ہونے والوں سے بھی نیکی کی امید نہیں۔ کتنی نسلیں ان کے روبرو پیدا ہوئی تھیں جو ایمان سے محروم ہی نہ رہے، بلکہ برائی پھیلانے میں بھی مصروف رہے، تو اللہ کریم نے ساری مخلوق کو غرق کر دیا۔ سوائے ان افراد کے جو ان کے متبعین تھے اور ساتھ کشتی میں سوار ہوئے۔ جنہوں نے اطاعت نہ کی، ان میں آپؑ کا سگا بیٹا بھی تھا۔ آپ کی سفارش کے باوجود نہ بچ سکا کہ ارشاد ہوا یہ آپ کا کچھ نہیں لگتا، اس لیے کہ آپ کی اطاعت نہیں کرتا بلکہ بدعمل ہے۔ تو وہ لوگ جن کے پاس، حکومت اور طاقت وغیرہ کے اسباب تھے، تباہ ہو گئے اور جن کے پاس اللہ کا نام تھا، وہ نہ صرف بچ گئے بلکہ قیامت تک انسانیت ان کی نسل سے یعنی نوح علیہ السلام کی نسل سے چلی۔ یہی بات جب طائف کے لوگوں کو غرق کرنے اور تباہ کرنے کا حکم لے کر فرشتہ آپ ﷺ سے اجازت کا طالب ہوا تو آپ ﷺ نے دعا فرمائی کہ اللہ انہیں تباہ نہ فرما کہ اگر یہ نہیں تو ان کی اولادوں سے نیکی کی امید ہے، اور اللہ کریم نے عذاب ٹال دیا۔ میرے بھائی اگر کوئی خود اطاعتِ نبوی ﷺ کے لیے کمر باندھ لے تو کس قدر رحمت سمیٹے۔ اس کا اندازہ کر لیجیے۔ دُنیا کمائیے، سیاست کیجیے، گھر بسائیے، مگر سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کیجیے اور اللہ کی عبادت کیجیے، اللہ سے دعا کرنا سیکھئے۔ دو عالم آپ کو نصیب ہوں گے ان شاء اللہ۔ اس کی بہترین مثال عہد نبوی ﷺ اور حیاتِ صحابہؓ ہے کہ بعثت نبوی ﷺ پر سارے عالم کا کفر مخالفت پر اتر آیا اور ادھر کوئی ظاہری سبب کامیابی کا نہ تھا، مگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اطاعت نے رحمت باری کو پالیا اور فرشتے تک میدان میں اترے۔ ہاں! یہ ضروری ہے کہ ممکن حد تک سب اسباب اختیار کیے جائیں، مگر اللہ کی اطاعت اور اس کے احکام کی حدود میں رہنا ان سب پر مقدم ہے۔ آج دیکھ لیجیے! افغان مجاہدین کے پاس سوائے اللہ کے نام کے کچھ بھی نہ تھا اور روس سے ساری دُنیا ڈرتی تھی، وہ محض کلمۃ اللہ کے لیے ڈٹ گئے تو ابھی تک پہاڑوں میں اللہ اکبر کی صدا گونج رہی ہے، اور سوویت رشیا اپنے انجام کو پہنچ کر نابود ہو چکا ہے۔ نیز مومن کی شناخت ہی اللہ کی اطاعت

اور اللہ پر بھروسہ ہے، اگر وہ یہ صفات کھو بیٹھا تو گویا اپنی شناخت کھو بیٹھا۔ ہم حکومت اور حکمرانوں کو ذمہ دار قرار دیتے ہیں مگر یاد رکھو، حکمران ہمارے ہی کردار کی تصویر ہیں۔ ہم نیک ہوں تو حکمران بھی نیک نصیب ہوں گے۔ لہٰذا ہر فرد کو چاہیے کہ سب سے پہلے اپنی ذمہ داریاں پوری کرے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

اس کے بعد ذکر ہوا جس میں سب حاضرین نے شرکت کی اور عشاء کے بعد پروگرام مکمل ہوا۔ یوں ہمارا دن کراچی سے چل کر ڈھاکہ میں تمام ہوا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

22 جنوری 1992ء:

شہر کے ساتھ ایک آبادی سے، جسے ڈیمرا کہتے ہیں، ایک ساتھی جو یہاں جلسہ میں آئے تھے، وہاں کے چیئرمین ہیں اور امیر آدمی ہیں۔ انہوں نے دوپہر اپنے گھر پر دعوت رکھی کہ سب ساتھی جمع ہوں گے چنانچہ لینے کو گاڑی آ گئی۔ جو بھیڑ اور بدتمیزی میں نے ڈھاکہ کی سڑکوں پر دیکھی، اس کا کہیں اور کوئی تصور نہیں۔ مگر کمال یہ ہے کہ کوئی گاڑی ٹکراتی نہیں، نہ کسی راہگیر کو ٹکر لگتی ہے۔ اگرچہ پولیس بھی کھڑی ہوتی ہے مگر شاید صرف چلانے کے لیے، لوگ ہمت سے ہی راستہ بناتے ہیں۔ جہاں تک غلاظت اور بدبو کا تعلق ہے تو شہر کے ساتھ آبادی کے اندر ایک وسیع گڑھے کو پاٹا جا رہا تھا، جس میں ابھی نصف حصے پر سڑا ہوا پانی تقریباً چھ چھ فٹ کھڑا ہو گا اور سڑک کی طرف سے کمیٹی کی گاڑیاں کوڑا پھینک کر برابر کرتی جا رہی تھیں۔ کوڑا کرکٹ اور سڑے ہوئے پانی میں اگرچہ ناک بند رکھا، مگر اس کے باوجود اتنی شدید بدبو تھی کہ ہفتہ بھر بعد یہ سطور لکھ رہا ہوں، مگر ابھی زکام چل رہا ہے اگرچہ گولیاں بھی کھاتا جا رہا ہوں۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ان لوگوں کی صحت یا بقاء کا راز کیا ہے؟ ظاہر ہے اللہ قادر ہے جسے چاہے زندہ رکھے، ورنہ تو ظاہراً کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔

خیر ظہر وہاں ادا کی، کھانا بھی اسی گھر پر تھا اور حسبِ معمول بغیر چینی تو تھی ہی، بغیر دودھ کے چائے ملی اور غالباً ہفتہ عشرہ اب دودھ کی چائے مشکل ہو گی۔ بھلا یہاں دودھ کہاں؟ بھینس کا تو نام نہیں، بکری، بھیڑ بھی ہم نے نہیں دیکھی۔ رہی گائے! تو اس کی ایسی نایاب نسل دیکھی جو گائے کم اور بیل زیادہ نظر آتی ہے اور ہے وہ بھی خال خال، تو دودھ کون دے گا؟ ولایتی خریدنا کارے دارد، لہٰذا سیدھا نسخہ یہ ہے کہ بھلا چائے میں بھی دودھ ہوا کرتا ہے۔ دوسرا فائدہ یہاں یہ ہے کہ چکنائی سے کوئی خطرہ نہیں کہ گھی نام کی کوئی شے نہیں، بس تیل ہی تیل ہے، بے فکر ہو کر کھائیے بشرطیکہ آپ کھا سکیں کہ یہ پکاتے بھی اپنے طریقے سے ہیں جسے کھانے کا حوصلہ اور فن دونوں چاہئیں۔

ہاں! البتہ شوگر یا میٹھے سے پرہیز بہت ضروری ہے، اور یہاں ایک خاص قسم کی مٹھاس بہت ضروری ہوتی ہے وہ یہ کہ کھجور کے درخت بہت ہیں۔ یہ ان کے تنے زخمی کر کے ساتھ برتن باندھ دیتے ہیں، جس میں قطرہ قطرہ رس ٹپکتا رہتا ہے اور بہت ہی میٹھا ہوتا ہے۔ اگر تازہ رس کے چند قطرے ملا لیں تو ایک گلاس بہترین شربت بن جاتا ہے۔ اسے رکھ چھوڑیں تو از خود جم جاتا ہے، پھر اس کی بھیلیاں سی کاٹ لیتے ہیں اور خوب میٹھا کرتے ہیں۔ بہر حال ہم نے ان کا شکریہ ادا کیا اور عصر کے وقت واپس پہنچے۔

یہاں ایک جلسہ عام تھا اور احباب نے خوب شامیانے وغیرہ لگا کر سٹیج بنا رکھا تھا۔ عصر سے مغرب تک مقامی علماء حضرات کا خطاب تھا۔ مغرب کے بعد بندہ کا بیان، خطبہء مسنونہ کے بعد آیت کریمہ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب کی تلاوت کی۔ حاصل کلام "ذکر کی ضرورت و اہمیت اور اس کے فوائد، نیز اس کے چھوڑ دینے کے نقصانات" کا بیان تھا۔ میری نگاہ میں تو مسلمان عبادات سے بڑی حد تک محروم ہو چکا ہے جس کا ایک بہت بڑا سبب اس کی ضروریات ہیں۔ مادی ضروریات کی تکمیل کے بغیر مادی زندگی کا کوئی تصور نہیں، مگر اسلام نے مادی ضروریات پوری کرنے سے روکا تو نہیں۔ ہاں! انہیں پورا کرنے کے بہت خوبصورت طریقے بتائے ہیں۔ مگر ہماری مصیبت یہ ہے کہ اسلامی احکام ہمیں بوجھ لگتے ہیں اور ان پر عمل ہمارے لیے ایک بہت بڑی مشکل کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ جو لوگ عبادات میں بھی کوتاہی

کرتے ہیں، انہیں چھوڑ بھی دیں تو اچھا بھلا عبادت گزار بھی جب بازار جاتا ہے تو اس کا کردار ایک چور کا کردار بن جاتا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ جب ہم مسلمان ہیں تو ہم دین پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ اور کیوں حلال و حرام کی پروا نہیں کرتے؟ اس لیے کہ دماغ تو سلامت ہیں اور کام کر رہے ہیں۔ وہ مادی ضروریات کا ادراک بھی کرتے ہیں اور ان کی تکمیل کے راستے بھی تلاش کرتے ہیں۔ اب اس مادی ذہن کو اس راستے پر ڈالنا جو اللہ نے بتایا ہے کہ دُنیا کے ساتھ آخرت کی نعمتیں بھی حاصل کر سکے، یہ دل کا کام ہے، اور دل سو رہے ہیں۔ کتنے دل ہیں جو ذاکر ہیں، اور کتنے قلوب ہیں جن میں اللہ کی تجلیات جلوہ فگن ہیں؟ غالباً ایک بہت بڑی آبادی میں بھی کہا جاسکتا ہے کہ کوئی نہیں۔ تو پھر دین پر عمل کیسے ہوگا؟ غرض ڈیڑھ گھنٹے کا بیان طویل تھا جس میں شاید آپ کو الجھائے رکھنا مناسب نہیں۔ ہاں! بیان کے بعد اس میدان میں ذکر ہوا اور الحمدللہ! کہ سارے سامعین ذکر کر رہے تھے۔ چلو! ایک بار ہی، مگر ذکر قلبی کی لذت سے آشنا تو ہوئے۔ عشاء ادا کی اور بہت سے لوگ بیعت ہوئے۔ یوں ہم گھر پہنچے، کھانا کھایا، آرام کرنے چلے تو بھلا مچھر کہاں آرام کرنے دیں گے۔ کچھ ایسا لگتا ہے کہ کراچی اور ڈھاکہ میں ایک ہی قبیلہ کے مچھر بستے ہیں، اور شاید آپس میں رشتہ داریاں بھی ہوں کہ سنا ہے مچھر بڑی دھوم دھام سے شادیاں کرتے ہیں، واللہ اعلم۔ ویسے ان کی باراتیں جاتی تو آپ نے بھی یقیناً دیکھی ہوں گی۔ اور یہ تو مزے سے جہاز میں بھی سفر کرتے ہیں۔ آپ کراچی یا ڈھاکہ سے کسی بھی سمت روانہ ہوں، جہاز میں مچھر ضرور ہم سفر ہوگا۔ انہیں کون سا کرایہ دینا ہوتا ہے، لہٰذا یہ بھی نہیں پوچھتے کہ جہاز کہاں جا رہا ہے۔ ویسے ایک بات ہے کہ یہ دونوں نرم مزاج واقع ہوئے ہیں، کاٹتے ضرور ہیں مگر زخمی نہیں کرتے، جبکہ ہمارے علاقے کا مچھر کاٹے تو آدمی تڑپ اٹھتا ہے اور جہاں جہاں کاٹتا ہے صبح وہاں خون جما ہوا ہوتا ہے۔ یہ ذرا سی نرمی برتتے ہیں کہ کاٹنے کی جگہ ضرور سرخ سی ہو جاتی ہے، مگر خون نہیں جما ہوتا۔ بس! انہی سے لڑتے بھڑتے رات گزر گئی، کبھی نیند نے سلا دیا اور کبھی مچھر نے جگا دیا۔ ہم اسے بھی انجوائے ہی کرتے رہے

23-جنوری:1992

علی الصبح جب اٹھا، اور یہ بھی عرض کر دوں کہ علی الصبح سے میری مراد ہے جب نماز فجر کے بعد آرام کر کے ناشتے کے لیے جاگا تو باتھ روم گیا۔ میں دوسری منزل پر تھا، جو ڈھاکہ میں تیسری ہوا کرتی ہے کہ ایک منزل کی یا تو کرسی ہوتی ہے، یا پھر پلر (Piller) بنے ہوتے ہیں اور نیچے پانی کھڑا ہوتا ہے۔ اور باتھ روم برآمدے کے دوسرے کونے پر تھا کہ پورے کمرے کے گرد گھوم کر جانا پڑتا۔ مکان کے عین پیچھے ایک بہت گندا سڑے ہوئے پانی کا جوہڑ تھا جس کے تین اطراف گھر بنے ہوئے تھے اور ایک کنارے پر کھیت تھے۔ پانی خشک ہوتے ہوتے کافی تھوڑا رہ گیا تھا جو بالکل سیاہ رنگ کا اور بہت بدبودار تھا۔ وہاں چند خواتین جمع تھیں۔ میں کتنی دیر کھڑا دیکھتا رہا کہ یہ کتنے باکمال لوگ ہیں، گندے پانی میں ہر شے صاف کر لیتے ہیں۔ مثلاً ایک خاتون برتن دھو رہی تھی، ایک غسل کر رہی تھی اور چند بیٹھی کپڑے دھو رہی تھیں، جبکہ عین اس وقت بھی کنارے کے ایک گھر سے ایک خاتون نے گھر کا کوڑا کرکٹ اس میں پھینکا۔ اور ایک لیٹرین بھی کنارے پر بنی تھی۔ یہ بھی عجیب دستور ہے۔ بانس گاڑ کر ان پر چھت سی ڈال کر اردگرد پرانی بوریوں کے پردے ڈال لیتے ہیں اور اسی چھت کو جیسے فرش بنا لیتے ہیں، اور بانس بلند کر کے اوپر چھت ڈالتے ہیں تو نیچے والے میں سوراخ رکھتے ہیں اور اپروچ بھی بانسوں کی معلق پل کی طرح بنا دیتے ہیں اور کبھی غلاظت صاف نہیں کرتے۔ نیچے پانی میں تیرتی پھر رہی ہوتی ہے۔ اور وہاں اس روز تو بہت ہی حیرت ہوئی۔ مگر پھر دیکھا کہ وہاں غسل کا جو طریقہ خواتین میں بہت عام ہے کہ ساڑھی سمیت پانی میں اتر کر نہا لیا اور ساڑھی نچوڑتی ہوئی باہر آ گئیں، باہر خشک ساڑھی کھڑے کھڑے لپیٹ لی۔ وہ پانی کم تھا، لہٰذا خاتون کنارے پر بیٹھی برتن سے پانی اوپر ڈال رہی تھی۔ مرد حضرات بھی اکثر ایسا ہی کرتے ہیں۔ ناشتہ کے بعد "شیراج ڈی کھان" جانا تھا۔ یہ دراصل کوئی صاحب سراج الدین خان گزرے ہیں جن کے نام پر تا حال گاؤں آباد ہے، ان کا نام نامی بگڑ کر "شیراج ڈی کھان" بن گیا۔ میجر زین العابدین خان اور ان کے دوست نے ہمراہ ہونا تھا۔ کرنل

محبوب صاحب اور میں بھی ساتھ چلے، کار نے سارے شہر کی سیر کرائی اور آخر بوڑھی گنگا کے کنارے پہنچے۔ دریائے گنگا بنگلہ دیش میں داخل ہونے سے قبل دو حصوں میں تقسیم ہوجاتا ہے۔ ایک حصہ دریائے جمنا سے مل کر پدما کہلاتا ہے، اور دوسرا بوڑھی گنگا۔ بوڑھی گنگا ڈھاکہ کو چھوتی ہوئی گزرا کرتی تھی۔ اب دونوں کناروں پر شہر ہے۔ پہلے صرف کشتی اور جہاز سے عبور ہوتا تھا۔ اب ایک خوبصورت پل چین نے بنایا ہے جس کا نام ہی بنگلہ دیش چین دوستی پل ہے۔ بہت خوبصورت، مضبوط اور بلند ہے۔ نیچے سے جہاز گزر جاتے ہیں۔ اس سے گزرے تو چند میلوں بعد پھر دریا آگیا مگر اس پر پل نہ تھا، فیری (بڑی کشتیاں) تھیں۔ بہت بڑی بڑی کشتیاں، جو بسیں، کاریں اور انسان سب کچھ لاد اور دوسرے کنارے۔ اِدھر سے اٹھا اور اُدھر، درمیان میں کھلی جگہ۔ دونوں کناروں پر پان بیڑی اور فروٹ وغیرہ کے کھوکھے جو ساتھ ساتھ اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر تیرتے پھرتے تھے۔ چند میل بعد پھر ایک دریا اور ایسے ہی فیری کا مسئلہ، وہاں سے گزرے تو گاؤں کو گھوم گئے۔ اب راستہ پل صراط سا ہو گیا تھا کہ کھیتوں سے تقریباً 10 فٹ بلندی اور بمشکل گاڑی چل سکتی تھی۔ چوڑائی میں بہت کم، آگے ایک منی بس تھی۔ گزرنے کا سوال ہی نہ تھا۔ چند میلوں کے بعد ایک ہلکا اور نازک سا پل آگیا جس پر سے سواریاں الگ اور گاڑی الگ ہو کر گزرتے، اور دوسرے کنارے اتر کر سواریاں بے تابانہ گاڑی کو لپکتی تھیں۔ جب منی بس رکی تو ہماری کار بھی رک گئی۔ نیچے اترے تو بس کی سواریاں اتر رہی تھیں۔ عجیب بات ہے! یہ ہندوؤں کی بارات تھی اور ہندو دیویاں روایتی سج دھج سے لجاتی شرماتی اتر رہی تھیں۔ ہمیں - 42 برس پہلے کا زمانہ یاد آیا جب ہمارے علاقے میں دولت عموماً ہندوؤں ہی کے پاس ہوا کرتی تھی اور ہندو عورتیں بہت بن سنور کر رہتی تھیں۔ بیاہ شادی بڑی دھوم دھام سے کیا کرتے تھے۔ ہم دونوں منظر دیکھ رہے تھے کہ آواز آئی، کار دوسرے کنارے پہنچ گئی ہے۔ پل کے نیچے تو ایک بوڑھا ہندو لنگوٹ کسے پانی میں کھڑا تھا۔ ذرا پرے ایک نازک اندام سی ادھیڑ عمر خاتون کمر تک پانی میں کھڑی دونوں ہاتھ باندھے پرنام کر رہی تھی۔ وہ باہر نکلی، ساڑھی نچوڑتی ہوئی چلی گئی اور ہم بھی بابا کو کھڑا چھوڑ کر چل دیئے۔ ہماری منزل قریب ہی تھی۔ ان دو احباب نے بنگلہ دیش میں اسلامی اُمہ کارپوریشن لمیٹڈ کے نام سے ایک ادارہ بنایا ہے جس کے ذریعے یہ اسلامی معیشت کا نظام رائج کرنے کے آرزومند ہیں۔ اس کا طریق کار بالکل بنک ہی کی طرح ہے کہ جو بھی پیسہ دے، اس کا اکاؤنٹ کھل گیا اور کارپوریشن وہ رقوم کاروبار پر لگاتی ہے اور منافع سب پر تقسیم ہوتا رہتا ہے۔ جس میں ان کا اندازہ ہے کہ بنک کی نسبت بہر حال بہت زیادہ نفع ملتا ہے۔ یہاں ان کے دو منصوبے تھے، ایک مرغی خانے کا اور ایک رائس مل کا۔ ہم نے دیکھا یہ گاؤں بھی ایک دریا کے کنارے ہے اور دور دور تک خوبصورت کھیت پھیلے ہوئے ہیں، اور اب تو دریا کنارے لوگوں نے جگہ جگہ چھوٹے انجن لگا کر آبپاشی شروع کر رکھی ہے اور خوب محنت کرتے نظر آتے ہیں۔ اللہ کرے کبھی ان غریبوں کے مصائب بھی ختم ہوں۔ واپسی کا راستہ پھر سے وہی تھا۔ دو عدد فیری کراسنگ اور پھر بڑا پل۔ وہاں سے ہم نارائن گنج کو مڑ گئے جو ڈھاکہ سے قریب دوسرا بڑا شہر ہے اور مرکزی تجارتی منڈی بھی ہے۔ زیادہ مال جو دریا کے راستے جاتا ہے، وہ یہیں سے جاتا ہے۔ ہمیں یہاں پہنچتے مغرب ہو گئی۔ جس محلے میں ہمیں جانا تھا، اس کا نام "ڈیو بھوگ" ہے یعنی "شیطان کا کھانا" اور یہ نام اس لیے بھی ہے کہ سارا محلہ ہندوؤں کا ہے جو یہاں کی معیشت پر بڑی حد تک قابض ہیں۔ عین مرکز میں اللہ نے مولانا الطاف صاحب کو ہمت بخشی کہ انہوں نے مذہبی مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ اب اس کی مسجد بہت بڑی ہے اور ساتھ ایک بڑی عمارت مدرسہ اور ہوٹل کی ہے۔ تقریباً پانچ صد طلبہ یہاں تعلیم پاتے ہیں اور بڑے بڑے فاضل اساتذہ موجود ہیں۔ ملاقات کر کے بہت سعادت نصیب ہوئی اور دلی مسرت ہوئی۔ مغرب سے عشاء تک بیان ہوا، جس میں بندہ نے تو طلباء کو یہی تاکید کی کہ علم تو ضرور حاصل کریں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ صرف امام مسجد یا خطیب بن جائیں بلکہ واپس میدان عمل میں جائیں، کاروبار اور ملازمت کریں، کھیتی باڑی کریں۔ سیاست میں حصہ لیں اور یہ ثابت کریں کہ دین جاننے والا مسلمان کتنا مفید اور کس قدر بہتر انسان ہوتا ہے تاکہ نہ صرف مسلمانوں میں دین سیکھنے کا جذبہ پیدا ہو بلکہ غیر مسلم بھی

دائرۂ اسلام میں داخل ہونے لگیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نبی اکرم ﷺ سے دین حاصل کیا تو وہ سیدھے میدانِ عمل میں اترے۔ محض مساجد بنا کر بیٹھ نہیں گئے کہ آنے جانے والوں سے چندے کرتے بلکہ جہاد، تجارت، کھیتی باڑی، سیاست، معیشت اور اخلاقیات، غرض ہر میدانِ عمل میں اپنا سکہ منوایا، جس کے باعث کفار بھی مشرف بہ اسلام ہوتے چلے گئے۔ آج یہ ضرورت ہے کہ ہم ثابت کریں کہ دینی علم رکھنے والے کتنے اچھے اور کام کے لوگ ہوتے ہیں۔ وہاں سے قیام گاہ پہنچتے ہوئے کافی وقت ہو گیا اور دن بھر کا سفر تھکا دینے والا بھی تھا، لہٰذا جو نصیب تھا کھایا اور آرام کیا۔ بنگلہ دیش کا کھانا بھی میری سمجھ میں تو نہیں آیا کہ اللہ کی یہ مخلوق کیسے زندگی بسر کرتی ہے، اور اگر یہی کچھ کھا کر زندگی گزارتے ہیں تو واقعی کمال کرتے ہیں۔ وہ جو کسی نے کہا تھا ”جو لوگ کچھ نہیں کرتے کمال کرتے ہیں،، بس وہی بات صادق آتی ہے، کچھ ہر دیس کا رواج، طریقہ، موسم اور اوقات تک اپنے ہوتے ہیں۔ یہ تو محض اللہ کا کرم ہے کہ اتنے کم وقت میں دُنیا کے گرد گھوم جاؤ اور معدہ، ذہن اور بدن یہ سب کچھ برداشت کرتا چلا جائے۔ یہ ایک بہت مشکل کام ہے جو تائید الٰہی کے بغیر ممکن نہیں۔ ہاں اللہ کرے کچھ لوگوں کے قلوب یادِ الٰہی سے روشن ہو جائیں تو ساری محنت کا صلہ مل گیا۔

24 جنوری 1992:

آج جمعہ کا روز تھا اور کئی دنوں بعد غسل نصیب ہوا۔ احباب تو کہتے رہے کہ پانی گرم کر دیتے ہیں مگر بس کچھ طبیعت کی خرابی، وقت کی کمی اور غسل خانے کی صورتحال، سب کچھ ایسا تھا کہ غسل ہی نہ کر سکا۔ آج نہا کر کپڑے تبدیل کیے۔ بیعت کے لیے بہت سے احباب آ گئے تھے۔ ان سے ملے اور پہلا وقت خواتین سے بیعت لینے اور ملاقات کا تھا، جو ترجمان کی وساطت سے ہو سکا۔ دوپہر فارغ ہو کر جامع مسجد ”باشابُو“ جانا تھا جو ایک بہت بڑا مدرسہ اور مرکزی مسجد بھی ہے۔ حادثہ یہ ہوا کہ ہماری گاڑی نہ پہنچ سکی جو ایک شدید مریض کو لے کر ہسپتال چلی گئی تھی۔ میں نے تو کہا پیدل چلتے ہیں، مگر احباب کا خیال تھا کہ بازار اتنا تنگ اور ٹریفک اتنی زیادہ ہے کہ آپ راستہ نہ پا سکیں گے اور لیٹ ہو جائیں گے۔ وہ سائیکل رکشہ لے آئے جس کو ایک آدمی چلاتا ہے اور دو پیچھے سواری کرتے ہیں۔ مجھے تو واقعی عجیب لگتا ہے۔ ڈیرہ اسماعیل خان میں چند ایک اور بہاولپور میں بہت زیادہ ہیں، مگر کبھی یہ نہ سوچا تھا کہ اس پر بھی سواری کرنا پڑے گی۔ ناچار اس پر بیٹھنا پڑا۔ اگرچہ میں اکیلا ہی بیٹھا تھا مگر ایک تو وہ بہت تکلیف دہ اور آگے کو جھکی ہوئی سیٹ، اس پر یہ احمقانہ سواری، کہ جس پر بیٹھا ہوا سوار سب سے بڑا احمق لگتا ہے۔ مگر کیا کرتے، شرمندہ شرمندہ بیٹھ گئے اور بڑی خوشگوار حیرت اس بات پر ہوئی کہ لوگ ہم پر ہنسنے کے بجائے الٹا سلام کرتے چلے جاتے تھے اور یہ چلانے والے کی مہارت کہ وہ بھیڑ کو چیرتا ہوا نکل جاتا۔ یوں آہستہ آہستہ ہم بھی دلیر ہو گئے اور اگر لوگوں نے ہمیں بیوقوف نہ سمجھا، تو ہم انہیں بیوقوف سمجھنے میں حق بجانب تھے۔ لہٰذا اس طرح خود کو تسلی دے کر چلتے رہے، اور اللہ کا شکر ہے کہ بغیر کسی حادثے کے منزل پر پہنچ گئے۔ اگرچہ جب بھی ذرا سا دھکا لگتا تو سمجھ میں یہی آتا کہ ہم گرے کہ گرے، مگر بچ ہی گئے۔ مسجد میں حضرات منتظر تھے۔ چائے کا دور چلا جو حسبِ معمول بغیر دودھ کے تھی اور پھر جمعہ کا بیان، وہی جو ہمارا خاص موضوع ہے کہ اللہ کریم کے نام کا ذکر کیا جائے۔ لوگوں کو بات بہت پسند آئی مگر ہمارے پاس وہاں رکنے کا وقت نہ تھا۔ چلنے لگے تو وہی رکشہ، تو میں نے معذرت کر لی۔ ساتھی بولے بے بی ٹیکسی لے آتے ہیں۔ جب وہ ٹیکسی آئی تو وہ نیا موٹر رکشہ تھا جس کے پیچھے پک اپ کی طرح باڑی اور دونوں طرف بنچ لگے ہوئے تھے۔ چلو! یہ اس سے تو بھلا ہے کہ کم از کم کسی انسان کی پیٹھ پر تو سوار نہ ہوں گے۔ اس میں بیٹھے تو عجب حال ہوا، ایک کے گھٹنے دوسرے کے گھٹنوں میں پھنس گئے اور یوں ایک زنجیر میں سب بندھ گئے۔ اب جو چلا تو حال کھلا کہ یہ تو کوئی بہت ہی دل جلا تھا اور اس غریب کا تو جگر کباب ہو رہا تھا، جس کی بد بو نے دماغ پھاڑ دیا۔ یا اللہ! یہ کیا مصیبت ہے۔ پہلے رکشے پر بیٹھے تھے تو ویسے شرمندگی محسوس ہوتی تھی

(جاری ہے........)

خواتین کا صفحہ

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا بنت عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ام فاران راولپنڈی

نام ونسب : نام معلوم نہیں ہے اپنی کنیت "ام کلثوم" سے مشہور تھیں قریش کے خاندان بنو عبد الشمس سے تھیں۔ نسب نامہ یہ ہے ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط بن ابی عمرو بن امیہ بن عبد الشمس بن عبد مناف بن قصی۔

والدہ کا نام اروی رضی اللہ عنہا بنت کریز تھا۔ اروی کا پہلا نکاح عفان بن ابی العاص سے ہوا۔ ان کے صلب سے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ عفان کے انتقال کے بعد اروی رضی اللہ عنہا کا نکاح عقبہ بن ابی معیط سے ہوا۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا اسی کے صلب سے تھیں۔ اس لحاظ سے وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اخیافی بہن تھیں۔

قبول اسلام : عقبہ اسلام کا سخت دشمن تھا لیکن کی اس اہلیہ حضرت اروی رضی اللہ عنہا اور بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو اللہ نے نہایت صالح فطرت سے نوازا تھا۔ انہوں نے سخت نامساعد حالات میں اسلام قبول کر لیا عقبہ جو قبیلہ امیہ کا ممتاز شخص تھا اور اسلام دشمنی میں مشہور تھا کی مخالفت کی ذرا پرواہ نہیں کی۔

ہجرت : حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر اہل حق نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا دل بھی ہجرت کے لئے تڑپ اٹھا کہ اس ناپاک ماحول سے نکل کر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کر سکیں لیکن باپ اور بھائی کڑی نگرانی رکھتے تھے انھیں ایک مدت تک ہجرت کا موقع نہ مل سکا۔ آپ رضی اللہ عنہا کا باپ عقبہ بن ابی معیط بدر کے موقع پر حضرت عاصم رضی اللہ عنہ بن ثابت بن ابی الافلح کے ہاتھوں جہنم واصل ہوا تو بھائیوں نے نگرانی اور کڑی کر دی۔ ان کا دل دکھانے کے لئے وقتاً فوقتاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اور دین اسلام کی مخالفت میں زبان درازی کرتے رہتے وہ بس خاموشی سے سنتی رہتیں اور اس ماحول سے نجات کے لئے دعا گو رہتیں۔

اتفاق سے صلح حدیبیہ کے بعد انہیں گھر سے نکلنے کا موقع مل گیا چنانچہ 7 ہجری میں ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ وہ بنی خزاعہ کے ایک نیک نفس آدمی کے ساتھ پاپیادہ ہی مدینہ کی طرف چل پڑیں دن رات سفر کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالی میں مدینہ منورہ پہنچ گئیں۔ جب گھر والوں کو فرار کا علم ہوا تو ان کے دو بھائی ولید اور عمارہ اپنی بہن کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے۔ خوش قسمتی سے حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا انھیں راستے میں نہ مل سکیں لیکن ان کے مدینہ وارد ہونے کے دوسرے دن بھائی بھی وہاں پہنچ گئے۔

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے فریاد کی، یا رسول اللہ! مجھے اپنے در پر جگہ دیجیے مجھ کو اپنے ایمان کا خطرہ ہے میں عورت ہوں اور عورتیں کمزور ہوتی ہیں۔ حضور بہت فکر مند ہوئے کیونکہ صلح حدیبیہ میں ایک یہ شرط تھی کہ قریش کا کوئی آدمی اگر مدینہ آئے گا تو واپس کر دیا جائے گا لیکن معاہدہ میں عورتوں کا کوئی ذکر نہ تھا۔ اسی وقت بارگاہ الٰہی سے یہ آیت اتری

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ سورۃ الممتحنہ

ترجمہ : مسلمانو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کو جانچ لو اللہ ان کے ایمان کو اچھی طرح جانتا ہے اگر تم کو معلوم ہو کہ وہ ایمان پر ہیں تو انہیں کافروں کے حوالے نہ کرو۔

اس حکم خداوندی کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ اور ان کے بھائی ناکام لوٹے۔

نکاح : حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا اب تک کنواری تھیں۔ حضور نے ان کی حوصلہ افزائی یوں فرمائی کہ ان کو اپنے محبوب جانثار حضرت زید بن رضی اللہ عنہ حارثہ کے نکاح میں دے دیا۔ جو بڑے رتبے کے صحابی تھے۔ (بقیہ صفحہ نمبر ۵۵)

حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے مال سے اسلام کی خدمت کرنے کے لیے ہمیشہ تیار رہتے تھے۔ ایک بار ایسا ہوا کہ ملک روم کے بادشاہ ہرقل نے مسلمانوں پر حملہ کا ارادہ کیا۔ اس بادشاہ کے پاس بے شمار فوج تھی اور اس کے پاس بے حد جنگی ساز و سامان تھا۔ رسول اللہ ﷺ جب اس بات کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے بھی مسلمانوں کو تیاری کا حکم دے دیا۔ آپ ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں زیادہ چندہ دو تا کہ لڑائی کے لیے سامان جنگ درست کیا جائے۔ وہ زمانہ نہایت تنگی کا تھا۔ قحط پڑا ہوا تھا، لوگوں کو کھانے پینے کو بھی مشکل سے ملتا تھا، پھر جس دشمن سے مقابلہ تھا وہ بھی بہت طاقتور تھا مگر رسول اللہ ﷺ کے حکم پر سب مسلمانوں نے سچے دل سے عمل کیا۔ جب یہ عطیات جمع ہو رہے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنا مال لے کر حاضر ہوئے آپ ﷺ نے پوچھا، عمر! گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ کر آئے ہو۔ حضرت عمرؓ نے آپ ﷺ کو جواب دیا کہ یارسول اللہ ﷺ اپنے مال کا ایک حصہ گھر والوں کے لیے چھوڑ آیا ہوں اور ایک حصہ حضور ﷺ کی خدمت میں لے آیا ہوں۔

پھر آپ ﷺ نے یہی سوال حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ یارسول اللہ ﷺ! میرے گھر میں جو کچھ تھا، وہ سب لے آیا ہوں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اے ابوبکرؓ! گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جواب دیا یارسول اللہ ﷺ ان کے لیے اللہ اور اللہ کا رسول کافی ہیں۔"

جب حضور اکرم کا وصال ہوا تو لوگ غم کی شدت سے نڈھال ہو گئے۔ جو بیٹھے تھے ان میں سے کئی دوبارہ کبھی چل نہ سکے کہ غم کی شدت سے ٹانگوں نے ساتھ چھوڑ دیا۔ حضرت عمر فاروقؓ جیسی بہادر ہستی نے غم کی شدت سے تلوار نکال لی کہ جس نے کہا کہ آپ ﷺ وصال فرما گئے ہیں میں اس کا سر قلم کر دوں گا۔ اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی وہ واحد شخص تھے جنہوں نے اپنے جذبات پر قابو رکھتے ہوئے قرآن پاک سے یہ آیت مبارکہ تلاوت کی اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ آپ کو مرنا ہے اور یقیناً ان کو بھی مرنا ہے جسے سن کر باقی صحابہ کرامؓ نے بھی شدید صدمے کے باوجود اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کی۔

خلیفہ نامزد ہونا:

نبی اکرم ﷺ نے اپنے زمانہ علالت ہی میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو جماعت کی امامت کا حکم فرما کر ان کی خلافت کی طرف لطیف اشارہ فرما دیا تھا۔ نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد باہمی مشاورت سے حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ نامزد ہوئے اور تمام صحابہ کرامؓ نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔

دور خلافت:

نبی اکرم ﷺ نے وصال سے پہلے روم کی طرف افواج بھیجنے کے انتظامات فرما لیے تھے۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد جزیرہ عرب میں بہت سے فتنوں نے سر اٹھایا، جن میں نبوت کے جھوٹے دعویٰ دار بھی تھے اور چند قبائل ایسے تھے جن تک ابھی اسلام کی روشنی پہنچی ہی تھی کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال ہو گیا اور ان قبائل نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ اندرونی حالات دیکھتے ہوئے بہت سے صحابہ کرامؓ کا مشورہ تھا کہ روم کی طرف بھیجی جانے والی افواج فی الحال روک دی جائیں اور پہلے اندرونی حالات سے نمٹا جائے لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ کہہ کر افواج کو روانہ فرما دیا کہ جو فیصلہ رسول اللہ ﷺ فرما چکے ہیں اس سے کیسے ہٹ سکتا ہوں۔ آپ ﷺ نے اس فوج کا سپہ سالار حضرت اسامہ بن زیدؓ کو مقرر فرمایا تھا۔ سو انہی کی سپہ سالاری میں یہ فوج روم کی طرف روانہ کی گئی۔ بعد میں حضرت خالد بن

ولید رضی اللہ عنہ بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حکم پر عراقی سرحد سے یرموک پہنچ گئے جہاں مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان زبردست سریہ وقوع پذیر ہوا جس میں مسلمانوں نے رومیوں کو بری طرح شکست دی۔

اندرونی فتنوں سے بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بڑے آہنی ہاتھوں سے نمٹے باوجود اس بات کے کہ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے نرمی برتنے کا مشورہ تھا لیکن وقت نے ثابت کردیا کہ ان فتنوں سے سختی سے نمٹنے کا جو فیصلہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہی درست تھا۔

بے سہارا محتاجوں کے لیے خلیفہ الرسول رضی اللہ عنہ کا کردار مبارک:

کسی بھی معاشرے میں بوڑھے لوگ اپنے اردگرد کے لوگوں کی توجہ کے زیادہ حق دار ہوتے ہیں اور پھر اگروہ بے سہارا بھی ہوں اور خاتون ہوں تو ان سے اور بھی زیادہ توجہ اور حسن اخلاق سے پیش آنے کی ضرورت ہوتی ہے آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمیشہ اس کوشش میں رہتے کہ اپنے اردگرد کے بے سہارا اور محتاج لوگوں کے کام کردیا کریں۔ ان سب کے سامنے اپنے نبی پاک ﷺ کا اخلاق موجود تھا کہ آپ ﷺ بے سہارا محتاجوں کے لیے کس قدر شفیق اور مہربان تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر فنافی الرسول اور کون لوگ ہوں گے۔ مدینہ منورہ کے ایک سرے پر ایک بوڑھی خاتون کا مکان تھا۔ یہ خاتون نابینا بھی تھیں اور بے سہارا بھی۔ نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بھی زیادہ اس طرح کے لوگوں کا خیال رکھنے کی کوشش کرنے لگے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کئی بار چاہا کہ وہ ان بوڑھی نابینا خاتون کے کام کاج کردیا کریں لیکن وہ جب آتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ ان خاتون کا سارا کام کاج کوئی دوسرا شخص کر گیا۔ اگلی دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور صبح آئے کہ آج میں ہی ان بوڑھی خاتون کا کام کریں لیکن انہیں اندازہ ہوا کہ کوئی بہت صبح آکر ان خاتون کا سارا کام کاج کرجاتا ہے۔ ایک دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بہت صبح تشریف لائے اور ایسی جگہ کھڑے ہوئے جہاں سے کوئی ان کو نہ دیکھ سکے۔ وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ وہ کون شخص ہے جو اتنی صبح آکر خاتون کا گھر کا صاف کرتا، ان کے برتن دھو کر اور کھانا پکا کر جا چکا ہوتا ہے اور کسی کو کانوں کان بھی خبر نہیں کہ وہ کون ہیں۔ اتنے میں وہ رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور ان بوڑھی خاتون کا کام کرنے لگے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حیران رہ گئے کہ وہ مسلمانوں کی اتنی بڑی ریاست کے اتنے مصروف خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔

اپنے انتقال سے پہلے آخری چند ہفتوں میں خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اکثر اس خوف سے رو پڑتے کہ ان کے سپرد جو ذمہ داریاں تھیں کیا وہ ان ذمہ داریوں کو احسن طریقے سے پورا کرپائے۔ وصال سے تقریباً 2 ہفتے پہلے آپ رضی اللہ عنہ بیمار رہے اور اسی بیماری میں اللہ سے جا ملے آپ رضی اللہ عنہ کی وصیت کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ کو غسل دینے کے بعد آپ کی چارپائی مبارک کو روضہ رسول ﷺ کے باہر رکھ کر اجازت مانگی گئی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم ﷺ کے پہلو میں دفن کردیا جائے؟ اس اجازت مانگنے پر روضہ رسول ﷺ کے دونوں دروازے کھل گئے اور آواز آئی، اَدْخِلُو الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْب اور اس آواز کو تمام موجود لوگوں نے سنا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم ﷺ کے پہلو میں موجودہ جگہ پر دفن کیا گیا۔ اس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دنیا میں اپنے مکمل اتباع کی بنا پر نبی اکرم ﷺ کا ساتھ نصیب ہوا اور وصال کے بعد بھی نبی اکرم ﷺ کا ساتھ نصیب ہوگیا۔

بقیہ ام کلثوم

جب غزوہ موتہ میں حضرت زید رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی تو وہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بن العوم کے نکاح میں آئیں۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے مزاج میں سختی تھی اس لیے نباہ نہ ہوسکا اور انہوں نے طلاق دے دی۔ پھر حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے نکاح ہوا۔ جب انہوں نے وفات پائی تو حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص فاتح مصر کے نکاح میں آئیں۔ اس نکاح کے ایک ہی مہینہ بعد حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے وفات پائی

وفات: حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کے نکاح میں ایک مہینہ گزارنے کے بعد انہوں نے وفات پائی اس زمانہ میں حضرت عمرو رضی اللہ عنہ والی مصر تھے۔

اولاد: حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ اور عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص سے کوئی اولاد نہیں لیکن حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے زینب رضی اللہ عنہا اور عبدالرحمن بن عوف سے ابراہیم رضی اللہ عنہ۔ حمید محمد اور اسماعیل پیدا ہوئے۔

فضل وکمال: حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے چند احادیث مروی ہیں ان کے راویوں میں ابراہیم اور حمید عبدالرحمن اور حمید بن نافع شامل ہیں۔

کھجور Date

حکیم عبدالماجد اعوان سرگودھا

کھجور غذا سے بھر پور قدرتی پھلوں میں سے ایک پھل ہے یہ اپنے اندر بہت سے غذائی اجزاء رکھتا ہے اور اس کا استعمال دنیا کے ہر ملک میں ہوتا ہے اس کا استعمال خشک اور تازہ دونوں حالتوں میں کیا جاتا ہے ۔ کھجور کا آبائی وطن ایران اور عراق کے علاقے ہیں۔ کھجور کو دنیا کے زراعت کی سٹینڈرڈ جنس کے طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے جو کہ سعودی عرب، مصر، ایران، سپین، اٹلی، چائنا اور امریکہ میں کاشت کی جارہی ہے۔

غذائی اہمیت:

کھجور کی غذائی اہمیت بہت زیادہ ہے اس میں قدرتی شوگر، گلوکوز، فرکٹوز کی صورت میں میسر ہیں۔ یہ قدرتی چینی اور زود ہضم ہے اور گنے کی چینی سے بہت بہتر ہے۔ زیادہ کھجور کا استعمال کیلئے یا دودھ کے ساتھ ملا کر کیا جاتا ہے۔ جس سے اسکی غذائی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ کچھ لوگ اسمیں گٹھلی نکال کر مکھن بھر کر استعمال کرتے ہیں اگر ہم اس کا غذائی تجزیہ کریں تو اس میں درج ذیل اجزاء پائے جاتے ہیں۔

پانی	15.3%	کیلشیم	120 ملی گرام
لحمیات	2.5%	فاسفورس	.50 ملی گرام
روغنیات	0.4%	لوہا	7.3 ملی گرام
دھاتیں	2.1%	حرارے	317 ملی گرام
ریشہ	3.9%	وٹامن سی	3 ملی گرام
کاربوہائیڈریٹ	75.8%	وٹامن B کمپلکس	قلیل مقدار

قدرتی فوائد اور طبی خواصیتیں

کھجور کا مزاج گرم خشک ہے اور اس کا استعمال بطور دوا اور غذائی دونوں صورتوں میں کیا جاتا ہے کھجور کیونکہ زود ہضم ہے اس لیے جسم کو جلد حرارے مہیا کر کے بیماری سے تباہ شدہ نظام میں بحالی کا کام دیتی ہے دودھ میں ابلی ہوئی کھجور بچوں اور بوڑھوں کے لیے نہایت مفید ہے خاص طور پر بیماری کے بعد کے دورانیے میں بحالی صحت میں بہت معاونت پیدا کرتی ہیں۔

امراض معدہ:

کھجور غذا کو جلد ہضم کرتی ہے معدہ کو تقویت دیتی ہے ریاح کو خارج اور ورم کو تحلیل کرتی ہے اگر دست ہوں اس کے استعمال سے دست رک جاتے ہیں اس حالت میں پانچ عدد کھجور لیکر کھالیں اور اسکے ایک گھنٹہ بعد پانی بار بار پییں۔ پھر اڑھائی گھنٹہ بعد اسی طرح کھجور پانچ عدد کھا کر پانی ایک گھنٹہ بعد پییں دستوں کو فوراً آرام آجائے گا کھجور کا پھول معدے کو قوت دیتا ہے اور دست بند کرتا ہے۔

کھجور کی گٹھلی کو باریک پیس کر سفوف بنا کر بواسیر کے مسے والی جگہ پر دھونی دینے سے بواسیر کے مسے مرجھا جاتے ہیں۔

قبض:۔

کھجور قبض کو دور کرنے کے لیے نہایت مفید ہے اس میں موجود ریشے پاخانے کو خارج کرنے کا سبب بنتے ہیں اسے رات کے وقت پانی میں بھگو دیں صبح اسکو اچھی طرح مسل لیں اس کے بعد اسکو مناسب آگ پر پکائیں جب تھوڑا گاڑھا ہو جائے تو نیچے اتار کر ٹھنڈا کر لیں 2 چمچ روزانہ استعمال کریں۔

جسمانی اور ریحی درد:

کھجور کی گٹھلی نکال کر 20 گرام لیں اور اسکو ایک پاؤ گرم دودھ میں ڈھک کر رکھیں۔ اس کے تین گھنٹہ بعد استعمال کریں دس پندرہ دن تک صبح وشام استعمال کرنے سے ریحی دردوں اور جسمانی

کمزوری کے لیے انشاء اللہ انتہائی مفید ثابت ہوگا۔

جنسی کمزوری:۔

کھجور کمزوری اور بانجھ پن کو ختم کرتی ہے۔ مٹھی بھر کھجور لیکر رات کو بکری کے دودھ میں بھگو دیں صبح کو اسی دودھ میں گرائینڈ کر کے استعمال کریں اس کے مسلسل استعمال سے دونوں حالتوں میں بہتری آئے گی۔

کھجور کے دیگر فوائد:۔

1۔ کھجور کا دودھ میں شیک بنا کر روزانہ استعمال کرنا جسم کو فربہ کرتا ہے۔

2۔ اس کا استعمال جگر کو تقویت دیتا ہے اور جسم میں خون کی کمی کو پورا کرتا ہے۔

3۔ اسکے درخت کا اندرونی حصہ لیکر باریک پیس کر خشک کرلیں اور صبح وشام ایک گرام استعمال کریں مرض سوزاک میں مفید ہے۔

4۔ اسکی جڑ سے مسواک کرنا اور اسکی گٹھلی کو جلا کر راکھ بنا کر منجن کے طور پر دانتوں پر استعمال کرنا۔ دانتوں کے درد اور خون آنے میں مفید ہے۔ اسکے ساتھ یہ دانتوں اور مسوڑھوں کو مضبوط بھی کرتا ہے۔

5۔ عام جسمانی کمزوری کے لیے مغز بادام 10 عدد اور کھجور 10 عدد کو روزانہ استعمال کرنے سے جسمانی طاقت میں اضافہ ہوتا ہے۔

6۔ کھجور کا روزانہ استعمال کمر درد اور رعرق النساء میں مفید ہے۔

نوٹ: کمر کے درد میں مبتلا افراد دوا اور غذا کے استعمال کے ساتھ ساتھ اگر مناسب احتیاط کریں گے تو تب ہی صحیح طور پر وہ صحت مند رہ سکیں گے۔ مثال کے طور پر ڈھیلی چار پائی اور عام فوم کا گدا استعمال نہ کریں اس کے لیے آرتھو بیڈ یا تنی ہوئی چار پائی استعمال کریں۔ جھک کر کام نہ کریں زیادہ وزن نہ اٹھائیں، ڈرائیونگ کرتے یا بیٹھے ہوئے کمر کے پیچھے گدی کی سپورٹ دیں۔ کمر کی بیلٹ استعمال کریں۔

گرمی سے فوراً ٹھنڈی جگہ پر جانا اور اسی طرح سے ٹھنڈی جگہ سے فوراً گرم ماحول میں منتقل ہونا۔ کمر درد اور اعصابی مرض میں مبتلا کسی بھی شخص کے لیے مفید نہیں ہے۔

جاری ہے........

طالبات کے لیے خوشخبری

18 مارچ 2015 سے داخلہ جاری

کلاسز کا باقاعدہ آغاز 11 مئی 2015ء سے

صقارہ گرلز سائنس اینڈ کامرس کالج کا اجراء

علاقہ ونہار میں نظام تعلیم میں ملٹی میڈیا متعارف کروانے والا پہلا ادارہ

کورسز:۔ F.Sc (Pre.Med)، F.Sc(Pre-Eng)، I.C.S.، I.Com، F.A.(I.T.)

نمایاں خصوصیات

تدریس بذریعہ لیکچر سسٹم + ملٹی میڈیا

M.Sc، M.Phil تجربہ کار اساتذہ

ماہانہ ٹیسٹ کا خصوصی انتظام

سٹوڈنٹس کے لیے Presentation اور Saminars کا انعقاد

بورڈ کے امتحانات اور پروفیشنل ڈگری کی منظم اور بھرپور تیاری

ہاسٹل کی سہولت، بہترین Mess، اعلیٰ سکیورٹی اور جنریٹر کی سہولت کے ساتھ

لڑکیوں کی دینی ماحول میں بہترین کردار سازی

گولڈن پیکیج:۔

میٹرک میں 90% سے زائد نمبرز پر مفت تعلیم | 85% سے زائد نمبرز پر نصف فیس | حافظ قرآن کے لیے خصوصی رعایت

صقارہ گرلز سائنس اینڈ کامرس کالج، دار لعرفان منارہ، ضلع چکوال۔

رابطہ: 0341-0642642، 0332-8384222، 0543-562200

Sheikh is present who can teach a seeker, Zikar or Lataaif (subtle faculties of the spirit) and the three meditations, which will enable the seeker to receive attention and move farther. For this access into Barzakh, a contemporary Sheikh is needed, however once this access is achieved Allah (SWT) may grant the seeker, a connection with the Ruh (Spirit) of any Sheikh. His Ruh (Spirit) can derive beneficence from the Sheikhs' Ruh (Spirit). In this order (Owaisiah mode of transmission) after a certain stage the beneficence is attained directly form the Exalted Court of Prophet (SAWS) and then at times such stations are reached where the beneficence comes directly from Allah (SWT). Since in our Sublime Order the sheikhs are centuries apart from one another, they are few in number and there are only twelve links that connect the seeker to the Prophet (SAWS).This is the only order that avails beneficence from Hazrat Abu Bakar Siddiq (RUA). All other orders benefit from Hazrat Ali (RUA) and through him approach the blessings of the Prophet (SAWS).

During the Caliphate of four Righteous Caliphs, the blessings (Barakat) of the Prophet (SAWS) were transmitted through the Noble Caliphs (RUA), with effect, as a reflection of the Prophetic era (SAWS). People availed these very pristine blessings from Hazrat Abu Bakar Siddiq (RUA) to Hazrat Ali (RUA). However, after Hazrat Ali (RUA), there was no such person who was so accomplished, to serve as a conduit, for the complete package of blessings. Henceforth, people acquired blessings, varying in accordance to their capacities, and thus various orders and modes of transmission (Nisbet) came into being and they all received beneficence from Hazrat Ali (RUA). The sublime connection afforded to Hazrat Abu Bakar Siddiq (RUA) in his unique credential, which after him does not even go to Hazrat Umer (RUA).

(Nisbet) Owaisiah Chain of Transmission originates from Hazrat Abu Bakar Siddiq (RUA) and indeed fortunate people are blessed with it. If a seeker of some other sublime order (Silisila) attains high stations and spirituality gains access to Realm of Command then he too gets connected with Owaisiah Chain of Transmission which means from there onwards he will receive beneficence directly in Owaisi mode. Whereas seekers in Owaisiah mode attain blessings from the very beginning, that is why the number of sheikhs in the Chain of Transmission is few.

Q-4: If due to poor health or habit the pattern of Zikar becomes so poor that the coordination of breathing and concentration on Zikar gets disturbed after three or four breaths, is it an acceptable way of doing Zikar?

Ans: A person who is blessed with good and delicious food and eats it never talks as to how much interval he should make between the two bites. He realizes that Allah (SWT) has blessed him with this bounty and he enjoys it; he does not even count the bites he has been afforded. Those who do Zikar, they just do it without indulging in unnecessary query as to how the breathing is to be monitored.

They don't waste their time in asking foolish questions but concentrate on their Zikar. They are taught how to do Zikar and are also given attention as well as blessings and Lights are also transferred unto them. Those who receive this beneficence also find the capacity to stand firm on Zikar.

Q-2: What is the extent of being expedient in certain matters and we fail to discern when expedience turns into hypocrisy. Please guide?

Ans: What we do mostly is hypocrisy coated with the colors of expediency. In hypocrisy, the people take advantage of the other person in such a stealthy manner that the person remains unaware of their exploitation, so they do not acknowledge his favors. This attitude is hypocrisy not expediency. Expediency means that when, for instance, someone owes us some money and we take less money, considering that he is a poor man, and we can still be comfortable with the less amount. This is done not to make the person feel obliged but is done only to please Allah (SWT). This method of dealing can be called expediency .On the other hand if we give a poor person a few rupees, as wages, but make him work much more than the worth of his wages, then this is not expediency. This is a simple thing to comprehend. The crux of the whole discussion is that we must cleanse the mirrors of our subtle hearts and it will reveal to us where we do expediency and where we turn to hypocrisy. We can write books on topics like "What is Hypocrisy and what is Expediency" but words and lectures cannot define these as both are subtle feelings of the heart and are experienced by it.

Q-3: The exalted order of Naqshbandiya Owaisiah tracks back to the Prophet (SAWS) from the present Sheikh (MZA) with only twelve connections in between. Though the time lapse is over fourteen hundred years, how come there are a few accomplished sheikhs in the order?

Ans: First of all, do you need a longer order or seek the Barakaat (Blessings)? A traveler who is heading to his destination would go more easily if there is no stopover on the way in contrast to if he had to stop at many stations. Owaisiah is the mode of transmission, of feelings and Barakaat, through which one Ruh (Spirit) receives from another Ruh (Spirit). Our order is Naqshbandiya and our mode of transmission is Owaisiah. This mode of transmission is called Owaisiah because of it's similarity with the fact that Hazrat Owais Qarni (RUA) could not avail the blessed company of Prophet (SAWS). He (RUA) visited Madinah, when the Prophet (SAWS) was not alive in this world, during the Caliphate of the Righteous Caliphs, met the Noble Companion (RUA), and then moved to Kufa where he (RUA) lived, till death. Many tales have been associated with him (RUA) that Hazrat Umer (RUA) had gone to Yemen to see him, but these are not true. It is also heard that his tomb is in Qarn (Yemen). The truth, as told in his biographies, reveal that he visited Madinah, met the noble companion (RUA) and after living in Madinah for a while moved to Kufa where, later, he passed away.

The Prophet (SAWS) had instructed Hazrat Umer (RUA) to convey his greetings to Owais, whenever he met him and ask him to pray for the forgiveness of his (SAWS) Ummah. This was a great display of affection by the Prophet (SAWS) for Hazrat Owais (RUA) although he could not avail his (SAWS) noble company. This proves that his (RUA) Ruh, (spirit) had attained blessings (Barakat) from the Prophet (SAWS), even from a distance and a physical absence from the noble court, which gave him this status.

The feelings and blessings travel from one Ruh (Spirit) to another Ruh (Spirit), through Nisbat-e-Owaisiah. In this mode of transmission distance is irrelevant. In this spiritual order some of the Sheikhs are centuries apart from one another, whereas in every era a

Questions and Answers

From Translated speech of

Hazrat Ameer Muhammad Akram Awan MZA

Q-1 It is understandable that we cannot have a cordial friendship with Jews and Christians but how do we deal with non Muslims in our daily life if they are our colleagues, servants or neighbors?

Ans: It is simple rule that believers cannot have a cordial friendship with non believers; it is not permitted as a non believer never feels any love for a believer. Disbelief is a curse, the disbeliever is not sincere to a fellow disbeliever, let alone a believer, and their mutual ties are based on vested interests. The non believers do not love, even their blood relations, from the core of their hearts so how can they love a believer?

A non-believer is an opportunist, who merely knows how to take advantage of others and does not have the characteristic, called friendship. A believer can be allured by the Satan to develop friendship with a non believer; hence Allah (SWT) has forbidden believers to make friends with them. The life of a believer changes if he develops a strong friendship with a non believer. However, if this relation is limited to merely business dealings or working as an employee or as an employer for non believers then there is no harm in working with them. A believer can buy and sell goods to a non believer and it should be done fairly. A Muslim shop owner cannot refuse to send good to a non believing customer, out of bias.

There are limits defined for dealing with non believers. In a situation where a relationship is harmful to one's faith then maintaining such a tie with a non believer is forbidden (haraam) and whosoever maintains will be resurrected with non believers on the Day of Judgment. When we see the Muslims of today, we find them imitating non believers in everything, from dress to lifestyle. This is the result of cordial ties they have developed with non believers. On national level we follow the rules approved by the western powers even if they are contrary to Quran. The reason why we can't defy them is because we take monetary aid from the west. If a believer is living on the charity donated by non believers, how can he claim that he is not friends with them? Such a friendship or ties with a non believer are not allowed.

However, a non believer enjoys all the freedom to stick to his faith just as a Muslim, and he will be answerable to Allah (SWT) for his disbelief. He will have to bear the consequences of dying as a disbeliever. In situations, Quran demands to fight with the non believers and kill them on the battlefield and not to harm those who are not participating in the battle. The believers are commanded not to destroy the worship places or kill worshippers who are non Muslims; and also not to kill the old men, women, children and those who surrender their arms. In short Islam does not allow any violation of human rights or unfairness even with a non believer and orders the believers to be kind and gracious with them generally.

and not linked with the Shaikh, so that, in case the Shaikh is unable go for some reason, they too won't go by themselves, Nowadays, it has become a matter of pride to boast who accompanies who for Umrah, or how large a group is part of which personality's contingent. Hazrat Ji[rua]'s change of program for Umrah broke this trend.

On one hand there were Ahbab who had got ready to perform Umrah in Hazrat Ji[rua]'s company but because of them Hazrat Ji[rua] had to alter his program for Umrah, and on the other were those fortunate ones who despite obstacles in the shape of personal problems were urged by Hazrat Ji[rua] to accompany him. In a letter to Hazrat Ameer ul Mukarram[mza], he wrote:

> 'Complete your preparations for Hajj. I notice some hesitation in your intention, remove this hesitation.'

In another letter he wrote:

> 'Keep in mind that you are being chained and taken for Hajj by the desire of **Allah**[swt], the Holy Prophet[saws] and the Masha'ikh. Reflect! You · re perhaps, rather definitely, going to be awarded an office of a Pillar of the heaven and earth. I had submitted your name for this office since sometime. This office is bestowed by obedience to **Allah**[swt] and through the Holy Prophet[saws], and by applying the dust of the Masha'ikh's shoes to the eyes. And, **Allah**[swt] Himself grants its capacity to the person.'

As mentioned earlier, certain esoteric affairs were attached to Hazrat Ji[rua]'s attendance at the Holy Places that necessitated not just his spiritual presence at the Court of the Holy Prophet[saws] but his physical attendance as well. It can be discerned from his letters that before all three of his journeys to the Holy Places, his physical attendance was personally desired by the Holy Prophet[saws], and when obstacles hindered him, he was told not to care about them. The awards and favours to be bestowed there also included his promotion in rank and office, which Hazrat Ji[rua] alludes to in this letter. If the rank, regarded as the 'Pillar of the heaven and earth', was bestowed on his special adjutant Hazrat Ameer ul Mukarram[mza], then how great would be his own position, through whom these offices were bestowed.

Much difficulty had been encountered during the first Hajj, due to not having confirmed reservations of the airline seats. However, as Hazrat Ameer ul Mukarram[mza] was also going with them this time, Hazrat Ji[rua] instructed him:

> 'Have the seats confirmed. We should sight the Zilhajj moon in Lahore and leave the next day. On reaching Jeddah, we should leave immediately for Makkah Mukarramah, where six or seven days prior to Hajj are enough and a number of Umrah can also be performed. On the 12th of Zilhajj after performance of Hajj, we should leave for Madinah Munawwarah for eight complete days so that we can perform forty Salah in the Masjid-e Nabvi-saws. Work out the dates for yourself. On the ninth day we should depart from Madinah Munawwarah, but before that confirm the seats from Jeddah to Karachi as they are very difficult to obtain, so do that before, either from Lahore or Karachi. On the 12th or 13th Zilhajj will be our departure for Madinah Munawwarah, eight days in Madinah Tayyebah are enough. Therefore please make these arrangements and it should take twenty to twenty five days in all. We should be able to return within a month'.

(Continued...)

participation, the certificate of his entry into Jannah has already been granted, but the actual real good fortune is that, it being a Ghazwah, its participants will also be granted the honour of the Holy Prophet-saws's company.

Chapter 26
O Allah-swt, bestow this Favour yet Another Time!

If one is fortunate enough to perceive and comprehend the Infinite Grace of **Allah**-swt, then along with feelings of immense acknowledgment and gratitude, a desire takes root in the depths of the heart that this succession of blessings never ceases, and that the rain of munificence and generosity may continue forever. In this state spontaneously a prayer comes to the lips:

'O **Allah**-swt, bestow this Favour yet another time!

In the Zikr assemblies, one came across this situation time and again; that this phrase would continuously issue forth from Hazrat Ji-rua's blessed tongue and he would frame his request with such insistence, that it seemed that he had caught hold of the Mantle of Divine Grace and would keep on supplicating till he was granted a writ of Acceptance. After a while, his voice would drown in sobs and for long after he would remain in a state of Riqqat (overwhelmed by weeping).

Hazrat Ji-rua was a Mustajâb-ud D'awât i.e. his prayers found acceptance, and yet such was the intensity of his supplication! In answer, the Grace can be seen repeated not just once but continuously, and increasing in each and every day of his pure life. In this chapter, the mention made to the plea 'bestow this Favour yet another time' refers to Hazrat Ji-rua's second Hajj.

Hazrat Ji-rua, referring to the annual Ijtema at Munara, wrote in a letter dated 13th August 1972:

> 'This year the rewards, blessings rained upon the Ahbab have been unprecedented. All the offices of the other Salasil have been transferred to our Silsilah. The Holy Prophet-saws, (may my mother and father be sacrificed for him-saws), has again desired me to come to Arabia, and in compliance with the order, I am making preparations.'

When Ahbab found out that Hazrat Ji-rua was preparing for Umrah, many of them started their preparations for an Umrah in his company. Of them, many were those who had been impressed by the accounts of Hazrat Ji-rua's first visit to the Holy Places, and were desirous of the beneficence and blessings of his company for this time, otherwise they neither possessed the capacity to perform Hajj as an obligation, nor were ready to perform Umrah without him. When Hazrat Ji-rua noticed this state of affairs, he abandoned the idea of Umrah and in a letter dated 7th July, he wrote:

> 'I have abandoned the idea of Umrah because of a strong spiritual reproof from **Allah**-swt, 'that those people who are accompanying you for Umrah are doing so merely for your company. If ever, you were unable to go for Hajj, they would abandon their Hajj as well. Those, who can perform Umrah are obligated to perform Hajj, consequently it will amount to their abandoning the duty'.

This act of Hazrat Ji-rua makes it clear that, as is the present trend, to make up a large contingent (as in a plane- load or in a caravan) and perform Hajj or Umrah in the company of an important personality, does not concur with the true intent of paying attendance at the House of **Allah**-swt or at the Court of the Holy Prophet-saws. It is fortunate if the journey is in the company of the Shaikh, but even in this condition, the intention of the Hajj and Umrah should be purely for obtaining Divine Pleasure,

Hayat-e-Javidan □□□□□□□□□□□

A Life Eternal (Translation)

From Previous Month **Fulfilment of the Hajj Obligation** Continued

When Hazrat Ji[rua] visited Karachi in 1972, a Russian trawler was mysteriously anchored in the open ocean, a short distance from Karachi. It was common knowledge that the Russian trawler was searching for a missing submarine that had come to assist the enemy (India) in the 1971 war, but had sunk. The presence of the Russian ship in Pakistani waters caused great anxiety among the general public of Karachi, who were expecting another war as a sequel to the 1971 war. When this fear was mentioned in front of Hazrat Ji[rua], he declared: 'After the 1971 war there will be no major war between Pakistan and India, except Ghazwah-tul Hind, which will be won by us.'

Hazrat Ji[rua] did not have the slightest doubt about Pakistan's future that, prior to Ghazwah-tul Hind, no major war would be imposed upon it, and he expressed this opinion many times.

During the Annual Ijtema of 1980, the Ahbab were present before Hazrat Ji[rua], when Colonel Gulzar referring to the 1979 Russian invasion of Afghanistan, expressed some apprehension regarding Pakistan, in connection with the Russian invasion. Hazrat Ji[rua] answered:

> 'In a state of Maraqbah I saw armed warriors from the left and right of the Mimber (pulpit) of the Holy Prophet[saws], racing on their steeds towards Pakistan. A mountain-like wall arose between Pakistan and Afghanistan. The Russian tanks would advance and crash against it and retreat.'

After speaking about this Mushahidah, Hazrat Ji[rua] said, 'Russia will never attack Pakistan'. On the same occasion, he added:

> 'Pakistan's frontiers will expand, there will be a great war with India, Kashmir will be conquered; Delhi will be conquered. The conquering general will be our Sathi. He will become so jubilant on this occasion that, his heart will burst and he will not be able to witness his victory.'

Keeping in view Hazrat Ji[rua]'s statement that, before Ghazwah-tul Hind there will not be any major war between Pakistan and India, this good news about victory can only be attributed to Ghazwah-tul Hind. Being classified a Ghazwah, what will be the Holy Prophet[saws]'s participation in it, **Allah** knows best! But for the Ahl Allah it is not difficult to understand that despite residing in Barzakh, the intense Tawajjuh also takes on the form of personal participation. **Allah** knows best!

Hazrat Abdullah Shah[rua] too was ardently awaiting Ghazwah-tul Hind so that he may at least participate in it spiritually. During an attendance at his Mazaar, he affirmed that he would be participating in it, as would Hazrat Abu Hurairah[rau]. Till that time, the Hadees of Hazrat Abu Hurairah[rau] regarding this Ghazwah was not known. However, the narration having being found, his fervent desire to also participate in the Ghazwah became evident. It also became clear that every person, who left this world with the wish of participating in the Ghazwah, will also spiritually participate in it, because of his intention. Whatever the mode or form of his

MONTHLY
Al-Murshid
August 2015
Shawal / Ziqad 1436H
عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ:
أَلَا إِنَّ الدُّنْيَا مَلْعُونَةٌ مَلْعُونٌ مَا فِيهَا إِلَّا ذِكْرُ اللهِ وَمَا وَالَاهُ وَعَالِمٌ أَوْ مُتَعَلِّمٌ (رواه الترمذی. رقم الحدیث 2322)
Abu Hurairah narrated that the Messenger of Allah (SWT) said:
"Lo! Indeed the world is cursed. What is in it is cursed, except for Zikar (remembrance) of Allah (SWT), what is conducive to that, the knowledgeable person and the learning person"
The reward of staying here, at darulirfan is that such feelings penetrate in the heart that when one says لا إله إلا الله his heart swings in ecstacy.
Al-Sheikh Ameer Muhammad Akram Awan (MZA)
Page No. 15
MONTHLY AL-MURSHID PS/GPL #15
17-AWASIA SOCIETY-COLLEGE ROAD, TOWNSHIP LAHORE
Sultan Ahmed Shah Mosque in Malaysia

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ اپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ اپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور اپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1- مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2- مشکوٰۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ 4- اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔ 5- حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6- ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8- اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9- سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا اپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255